اسلام • اسلامی فکر

اور مسلکِ دیوبند

- قرآن وسنت کی روشنی میں اسلام اور اسلام کے متوازن اور صحیح فکر کی ترجمانی۔
- مسلک ومشرب دیوبند کا فکری، عملی اعتدال اور جامعیت۔
- وحدتِ ملّی کی مستحکم راہوں کی نشان دہی۔

www.toobaaelibrary.com

تالیف

مفتیٔ پنجاب مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

شیخ الجامعہ جامعہ دار السّلام

جامعہ دارُ السّلام۔ مالیر کوٹلہ (پنجاب)

29
ں ا
Ac

www.toobaaelibrary.com

اسلام ○ اِسلامی فکر

اور

مسلکِ دیوبند

- قرآن وسنت کی روشنی میں اسلام اور اسلام کے متوازن اور صحیح فکر کی ترجمانی۔
- مسلک ومشربِ دیوبند کا فکری، عملی اعتدال اور جامعیت۔
- وحدتِ ملی کی مستحکم راہوں کی نشان دہی۔

تالیف

مفتیٔ پنجاب مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

شیخ الجامعہ جامعہ دارالسلام

جامعہ دار السلام

جامعہ دارالسلام مالیرکوٹلہ (پنجاب)

www.toobaaelibrary.com

فہرست

نمبر	عنوان	صفحہ
○	تقدیم	۳
۱	توحید	۱۹
۲	رسالت	۳۰
	رسول واوتار و بروز	۳۰
	انسانیت رسول کا ایک کمال ہے	۳۱
	لفظ رسول کی تشریح	۳۲
	رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے	۳۳
	رسول و وکیل	۳۴
	رسول ریاضت سے نہیں بنتے۔ وہ پہلے سے منتخب شدہ ہوتے ہیں	۳۸
	رسولوں کی بعثت کا مشترک مقصد	۴۵
	حضرت محمد ﷺ کی امتیازی حیثیت تکمیل رسالت	۴۶
	مقصد کی طرف پیش قدمی کا طریقہ	۴۷
۳	ختم نبوت	۴۹
	ختم نبوت کا عقیدہ ایمان کا جزء ہے	۵۰
۴	صحابہ کرام رضؓ	۵۳
۵	صحابہؓ کے بعد کے لوگ	۵۸
۶	احسان، (تصوف، طریقت)	۵۸
۷	فقہ	۵۹
۸	حدیث	۶۵
	احکام دین میں فرقِ مراتب کیوں؟	۶۹
	ضعیف حدیثیں اور ان پر عمل کی شرطیں	۷۶
	حدیثوں پر عمل میں علمائے دیوبند کا طریقہ	۷۸
۹	عقل، سائنس، فلسفہ، علم کلام متکلمین	۸۰
	مذہب کا مقدمہ	۸۲
۱۰	اسلامی سیاست	۸۴
	اسلامی ریاست کے مقاصد	۸۴
	ریاست اسلامی کی امتیازی خصوصیات	۸۵
	نیابتی ریاست	۸۵
	نظریاتی ریاست	۸۶
	شورائی ریاست	〃
	اصولی اور اجتماعی ریاست	〃
	فلاحی ریاست	〃
	ریاست اسلامی کے فلاحی اقدامات	〃
	اقتدار اعلیٰ کی حکمرانی	۸۷
	اجتماعی عدل	〃
	باہمی مساوات	۸۸
	شورائیت	〃
	جواب دہ حکومت	〃
	نیکی میں اطاعت واجب اور بدی میں واجب نہیں	۸۹
	حصول اقتدار کی آرزو کی ممانعت	〃
	مکمل نظامِ شریعت کے نفاذ کی ذمہ داری	〃
	اصولِ احتساب	〃
○	خارجہ پالیسی کے اصول	۹۰
۱۱	مسلکِ دیوبند کی بنیادی بات	۹۲
○	مسلکِ اعتدال کے سات بنیادی اصول	۹۶
	علم شریعت	۹۶
	پیروی طریقت	۹۷
	اتباع سنت	〃
	فقہی حنفیت	〃
	کلامی ماتریدیت	۹۸
	دفاع زیغ وضلالت	〃
	ذوقِ قاسمیت ورشیدیت	۹۹
۱۲	اختلاف، اس کے اسباب۔ فرقۂ ناجیہ	۱۰۲
	اختلاف کیا ہے؟	۱۰۵
	اختلاف کے اسباب	۱۰۷
	مراجع وماخذ	۱۱۲

www.toobaaelibrary.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

دیوبند کا معاملہ بڑا عجیب رہا ہے ـــــ بریلی مکتب فکر نے ان پر "وہابی" کی پھبتی کسی ہے ـــــ اور وہابی واہلِ حدیث حضرات نے "بدعتی" سمجھا ہے۔ گویا:

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے کہ مسلماں ہوں میں

حقیقت کیا ہے ـــــ؟ دیوبند کے علماء وہابی ہیں یا بدعتی ـــــ؟ یا انھوں نے قرآن وسنت کی ٹھیک راہ اپنائی ہے ـــــ؟

غیر جانبدارانہ مطالعے، پوری وسعت اور کشادگی کے ساتھ، مثبت انداز میں اسی نشاندہی کی یہ ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔ یہ کوئی بحث ومباحثے کا موضوع اور مناظرانہ رنگ کی تحریر نہیں ہے۔

راقم نے "غیر جانب دارانہ" کا لفظ استعمال کیا ہے، معروضی مطالعے (OBJECTIVE STUDY) کا نہیں ـــــ اس لئے کہ راقم اپنے محدود مطالعے، مشاہدے، تجربے کے نتیجے میں پوری غیر جانب داری کے ساتھ جو کچھ سمجھ سکا ہے، یہ تحریر اس کا حاصل اور نتیجہ ہے۔

راقم کی تعلیم وتربیت دیوبند میں ہوئی ہے، دیوبند میرا وطن بھی ہے اور مادرِ علمی بھی۔ بلکہ ایک اور قوی تعلق مدرسۂ دیوبند سے یہ ہے کہ راقم کے پردادا مولانا فضل الرحمٰن عثمانی رح (۱۲۴۷ھ ـــــ ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) کا نام دارالعلوم دیوبند کے تین ابتدائی بانیوں میں شامل ہے۔ اور وہ ۱۲۸۳ھ ـ ۱۳۲۵ھ تک دارالعلوم کی بے لوث خدمت کرتے رہے، آخر تک مجلس شوریٰ کے رکن رہے اور اس درسگاہ کو پروان چڑھایا۔

پھر پردادا مرحوم کے صاحبزادے اور میرے دادا کے حقیقی بھائی مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ۱۳۲۴ھ سے ۱۳۴۸ھ تک دارالعلوم کے مہتمم رہے ـــــ دارالعلوم کو مرکزی حیثیت دینے

www.toobaaelibrary.com

میں ان کا کردار بڑا نمایاں ہے۔

پردادا مرحوم ہی کے دوسرے صاحبزادے اور میرے دادا کے علاتی بھائی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (ولادت ۱۸۸۹ء وفات ۱۹۴۹ء) سال ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء سے لیکر ۱۳۶۲ھ/ ۴۵/۴۴ ۱۹۴۴ء تک دارالعلوم کے صدر مہتمم رہے۔

میرے حقیقی دادا مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ (۱۲۷۵ھ - ۱۳۴۷ھ) دارالعلوم کے سب سے پہلے مفتی ہوئے وہ ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء تک دارالعلوم کے صدر مفتی رہے اور اس عرصے میں ایک اندازے کے مطابق تقریباً تین لاکھ فتوے ان کے قلم سے نکلے۔

راقم کے تائے ابا مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رح، حضرت والد صاحب قاری جلیل الرحمٰن صاحب مدظلہ، چھوٹے بھائی مفتی کفیل الرحمٰن نشاط، مولوی سہیل عزیز اور خود راقم (۱۳۸۰ھ سے ۱۳۹۲ھ تک) دارالعلوم کی خدمت کرتے رہے۔

اس تفصیل سے یہ بتلانا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے راقم کا قدیمی تعلق ہر اعتبار سے رہا ہے اور ہے ــــ مگر خود دارالعلوم نے اور اس کے اساتذہ نے ہی یہ تربیت دی ہے، یہ ذہن بنایا ہے، یہ وسعتِ فکر و نظر دی ہے کہ احترام کے ساتھ تحقیق کو نظر انداز نہ کیا جائے ــــ تحقیق کے نام پر بدگمانی اور بدزبانی کی ضرورت نہیں ہے اور تقلید کے نام سے جمود بھی درست نہیں ہے ــــ صحیح راستہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ اس لئے جو کچھ بھی ہے انشاءاللہ غیر جانبدارانہ مطالعے کا نتیجہ ہے۔

اس تحریر کا محرک "ملی وحدت اور اتحاد" کا جذبہ ہے، راقم کا احساس یہ ہے کہ اتحادِ ملت کا خواب اگر شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے تو اسی مسلک کی صورت میں ہو سکتا ہے۔

اتحاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لوگ اپنے اپنے مسلک، اپنے اپنے مشرب اور اپنے اپنے مکتبِ فکر کو چھوڑ کر "دیوبندی" ہونے کا اعلان کر دیں ــــ بلکہ اتحاد کا مطلب یہ ہے کہ ملت کے لوگ یہ سمجھ لیں کہ دیوبندیت ان میں سے کسی کے بھی خلاف نہیں ہے بلکہ اس ذوق و مشرب میں ہر ایک کے لئے پوری پوری گنجائش اور رعایت موجود ہے ــــ یا کم سے کم اس غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ دیوبندی وہابی ہیں یا بدعتی ہیں ــــ ہمارا معیار کتاب و سنت ہے۔ کتاب و سنت کی تعبیر و تفہیم کے لئے اسوۂ رسولؐ اور طریقۂ صحابہ رضؓ ہے ــــ صحابہ کرام رضؓ کے بعد تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، علمائے دین، بزرگانِ دین، اولیائے امت میں سے ہر ایک کے مرتبے

www.toobaaelibrary.com

اورمقام کے مطابق استفادہ کرتے ہوئے ـــــ کتاب وسنت کے قریب اورزیادہ قریب پہنچ جاتا ہے ـــــ آخر چشمۂ "آبِ حیات" تو یہی ہے۔

اختلاف زیادہ تر غلط فہمی، کم فہمی، اتباعِ ہوئی اورخواہشات کی پیروی، غلط رسوم و رواج سے پیدا ہوتا ہے ـــــ غلط فہمی دور کرکے اتباعِ ہوئی چھوڑکر اتباعِ ہدی کا جذبہ پیدا کیا جائے، یہ کوشش اسی نوعیت کی ہے۔

ملت موت وحیات کے جن مسائل سے دوچار ہے ان میں مسلک ومشرب کی بحثیں مفید نہیں ہوسکتیں اور نہ یہ تحریر بحث کے لئے ہے بلکہ غلط فہمیوں کا پردہ چاک کرکے ملت کو مجتمع کرنے کی ایک حقیرسی سعی ہے اور درخواست یہ ہے کہ اس تحریر کا مطالعہ اسی جذبے اور نظریے سے کیا جائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

جامعہ دارالسلام مالیرکوٹلہ

مورخہ ۱۹ ذی قعدہ ۱۴۱۳ھ

۱۲ مئی ۱۹۹۳ء

www.toobaaelibrary.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زندگی میں انسان کا رویہ اور طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے ــــ؟

روئے زمین پر انسان کے قدم رکھنے اور اس کی آبادی بڑھنے کے بعد سے ہی یہ سوال انسان کے سامنے جواب کا مطالبہ کرتا رہا ہے۔

اِس "کیا ہونا چاہیئے" کا تعلق دراصل اِس بات سے ہے کہ ہم زندگی کے متعلق جو نظریہ اپناتے ہیں اس نظریے کی بنیاد کیا ہے ــــ؟ وہ نظریہ ہم نے کہاں سے لیا ہے، اس کا ماخذ کیا ہے؟

ماخذ کے اختلاف سے زندگی کے متعلق "نظریے" مختلف ہوئے ــــ اور نظریے مختلف ہونے سے زندگی کی اسکیمیں مختلف ہوئیں۔

اب اگر ان اسکیموں میں سے ہمیں کسی "خاص اسکیم" کا جائزہ لینا ہو تو وہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ہم اس اسکیم کے ماخذ، بنیادی نظریات اور اس کے نتیجے کے طور پر وجود میں آنے والے پورے نظامِ حیات کو سمجھیں۔

○

وہ زندگی جس کو ہم "اسلامی زندگی" کہتے ہیں، اس زندگی کا پہلا ماخذ ایک کتاب ہے جس کا پیغام مختلف زمانوں میں زبور، توراۃ، انجیل وغیرہ ناموں سے سامنے آتا رہا اور آخری و مکمل پیغام قرآنِ مجید کے نام سے پیش کر کے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے کر اس سلسلہ کو ختم کر دیا گیا۔ بنیادی طور پر یہ ایک ہی پیغام کا سلسلہ ہے جس کا عنوان الکتاب (THE BOOK) ہے۔

اسلامی زندگی کا دوسرا ماخذ وہ برگزیدہ انسان ہیں جن پر اللہ نے یہ الکتاب نازل فرمائی اور ان لوگوں نے اپنے قول و عمل سے اس الکتاب کے منشا کو سمجھایا۔ برگزیدہ انسانوں کا یہ گروہ اگرچہ الگ الگ شخصیت ہونے کی وجہ سے آدم، نوح، ابراہیم، لوط، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب، یوسف داؤد، سلیمان، یونس، ایوب، موسیٰ، عیسیٰ، محمد (اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمت فرمائے) وغیرہ

www.toobaaelibrary.com

ناموں سے جانا جاتا ہے مگر ایک ہی سلسلے کی کڑی اور ان سب کا ایک ہی مقصد ہونے کی وجہ سے ان کا نام "الرسول" ہے ـــــ الکتاب اور الرسول اسلامی زندگی کے بنیادی ماخذ ہیں۔

(ب)

الکتاب اور الرسول نے زندگی کے متعلق جو نظریہ پیش کیا وہ یہ ہے کہ :-

(۱) - ایک زبردست نظام میں جکڑی بندھی اور ایک مقررہ قانون پر چلتی ہوئی یہ کائنات دراصل ایک خدا کی سلطنت ہے ، وہ اکیلا خود ہی اس کا خالق بھی ہے اور بلا شرکتِ غیرے اس کا مکمل فرماں روا بھی۔

(۲) - یہ روئے زمین جس پر ہم رہتے بستے ہیں خدا کی بے پایاں سلطنت کے صوبوں میں سے ایک صوبے اور ریاست کی طرح ہے۔

(۳) - اس جہانِ ہست و بود کا ہر حصہ ، ایک ایک چیز اور ذرّہ ذرّہ روئے زمین سمیت پوری طرح خالقِ کائنات کی گرفت میں جکڑا ہوا ہے۔

(۴) - زمین کے اس صوبے میں ہم اللہ کی پیدائشی رعیت : (BORN SUBJECT) ہیں - ہماری حیثیت یہ ہے کہ ہم اس خالق کی مخلوق ہیں ، اسی پروردگار کے پروردہ ہیں ، اسی کے جِلائے جی رہے ہیں ، ہمیں نہ اپنی زندگی پر کوئی اختیار ہے نہ اپنی موت پر ، یہ زندگی اور زندگی کے سارے اسباب و سامان اسی کا ایک عطیہ ہیں۔

زندگی کے بڑے حصے میں ہم کائنات کی دوسری چیزوں کی طرح اس کے اس طرح محکوم ہیں کہ اس کے خلاف کچھ کرنا چاہیں تو کر نہیں سکتے بلکہ چاہ بھی نہیں سکتے۔

(۵) کائنات کی تمام مخلوقات کے مقابلے میں اشرف المخلوقات کی ایک دوسری حیثیت یہ ہے کہ ہمارے خالق و مالک نے ایک محدود دائرے میں ہمیں کچھ اختیارات عطا کئے ہیں۔ یہ محدود اختیارات بھی حاصل کردہ نہیں بلکہ تفویض کردہ .... (DELEGATED) ہیں وہ اختیار ہے اپنے مالک کی فرماں برداری کرنے یا نہ کرنے میں آزادیٔ عمل کا اختیار۔ اگر چاہو تو اطاعت کا رویہ اختیار کرو جو پیدائشی رعیت ہونے کی حیثیت سے اختیار کرنا چاہیئے۔ اور چاہو تو بغاوت کا رویہ اختیار کرو جو فطرت اور حقیقت کے اعتبار سے اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔

زندگی کا یہ نظریہ جو الکتاب اور الرسول نے پیش کیا ہے اس کو امر واقعہ (FACT) تسلیم کر لینے کے بعد یہ بات حق قرار پاتی ہے کہ انسان اپنے ارادے اور مرضی سے اپنی زندگی

www.toobaaelibrary.com

کے اختیاری حصے میں بھی خدا کی حاکمیت (SOVEREIGNTY) کو اسی طرح تسلیم کرلے جو اس کی زندگی کے غیر اختیاری حصے میں بلا تسلیم موجود ہے

کیونکہ ـــــــــــ،

یہ بات حق ہے کہ جس دماغ کی اور جسم کی طاقتوں کو انسان اپنے اختیارات استعمال کرنے میں لگاتا ہے وہ اسی کی دی ہوئی طاقت ہے۔

یہ بات بھی حق ہے کہ کائنات کی جن جن چیزوں پر انسان اپنے اختیارات کا استعمال کرتا ہے وہ صرف اللہ کی ملکیت ہیں۔

اور یہ بات بھی حق ہے کہ اختیاری اور غیر اختیاری دونوں حصوں کا ایک ہی سرچشمۂ احکام، حیاتِ انسانی کی ہمواری (HARMONEY) اور دنیا کو شر و فساد اور ٹکراؤ سے بچانے کے لئے ضروری ہے۔

الکتاب اور الرسول کے دیئے ہوئے اس نظریۂ زندگی اور بیانِ واقعہ ـــــ (STATEMENT OF FACT).. کو جو لوگ برضا و رغبت تسلیم کر لیتے ہیں ایسے لوگوں سے مل کر جو سوسائٹی بنتی ہے اس کا نام "رب کے فرماں برداروں کی برادری" یعنی مسلم سوسائٹی ہے۔

اس سوسائٹی کی تشکیل اس بنیاد پر ہوتی ہے کہ یہ ایسے فرماں برداروں کی سوسائٹی ہے جنھوں نے شعوری اور ارادی طور پر اپنی مرضی سے بندے اور خدا کے درمیان اس معاہدہ کو تسلیم کرلیا ہے کہ ہم اپنے اختیاری حصے میں بھی اسی دستورِ زندگی پر چلیں گے جو اللہ نے مقرر کیا ہے اور اپنے فرستادوں کے ذریعے بھیجا ہے۔

خدا اور بندے کے درمیان یہ ایک شعوری معاہدہ (CONTRACT) ہے اس معاہدے اور اقرار کے بعد الکتاب اور الرسول اسے ایک ضابطۂ زندگی دیتے ہیں جس کا نام "شریعت" ہے۔

شریعت کی پوری اسکیم کا بنیادی مقصد انسانی زندگی کے نظام کو معروفات پر قائم کرنا اور منکرات سے پاک کرنا ہے، یہ اسکیم سوسائٹی کے پورے نظام کو اس طرز پر ڈھالتی ہے کہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت کے مطابق ایک ایک بھلائی اپنی پوری پوری صورت پر قائم ہو، ہر طرف سے اس کو پروان چڑھنے میں مدد ملے اور ہر وہ رکاوٹ جو کسی طرح اس کی راہ میں حائل ہو سکتی ہے دور کی جائے۔

www.toobaaelibrary.com

اسی طرح فطرتِ انسانی کے خلاف ایک ایک برائی کو چُن چُن کر زندگی سے نکالا جائے۔ اسکی پیدائش اور نشوونما کے اسباب دور کیے جائیں، جدھر جدھر سے وہ زندگی میں داخل ہو سکتی ہے اس کا راستہ بند کیا جائے اور اس سارے انتظام کے باوجود اگر وہ سر اٹھا ہی لے تو اس کو سختی سے دبا دیا جائے۔

معروف ومنکر کے متعلق یہ احکام ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔

- اس اسکیم کا ایک حصہ ہماری اخلاقی تعلیم و تربیت ہے جس کے مطابق افراد کی سیرت اور انکے کردار کو ڈھالا جاتا ہے۔
- اس اسکیم کے مطابق ہمارا معاشرتی اور سماجی نظام تشکیل پاتا ہے جس میں مختلف قسم کے انسانی تعلقات کو منضبط کیا جاتا ہے۔
- اس اسکیم کا ایک حصہ ہمارے معاشی اور اقتصادی نظام کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ جس کے مطابق ہم دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلے اور اس پر لوگوں کے حقوق کا تعین کرتے ہیں۔
- اور اس اسکیم کا ایک جزء ہمارا سیاسی نظام ہے جس میں اس اسکیم کو نافذ کرنے کے لئے سیاسی اقتدار کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ اسکیم ایک صالح نظامِ زندگی کا پورا نقشہ دیتی ہے اور اس غرض کے لئے فرائض وحقوق کا ایک پورا نظام ہے، ایک مکمل نقشہ ہے۔ جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کے ساتھ اعضاءِ جسمانی کی طرح جُڑا ہوا ہے۔ اس اسکیم کا ایک مجموعی مزاج ہے جو تقسیم ہو کر قائم نہیں رہ سکتا۔ معلوم ہوا کہ اسلام ایک خاص طریقِ فکر (ATTITUDE OF MIND) کا نام ہے جس کا ماخذ "الکتاب" اور "الرسول" ہے اور وہ پوری زندگی کے متعلق ایک خاص نقطۂ نظر (OUTLOOK OF LIFE) ہے۔ اس طریقِ فکر، نقطۂ نظر اور طرزِ عمل سے جو ہیئت اور شکل بنتی ہے وہ دینِ اسلام ہے اور وہی تہذیبِ اسلامی ہے۔

اسلام میں مذہب اور تمدن دونوں ایک مجموعہ ہیں، الگ الگ چیزیں نہیں ہیں —— یہاں ایک ہی طریقِ فکر اور نظریۂ حیات زندگی کے ہر مسئلے کا فیصلہ کرتا ہے، اسی کے لحاظ سے ہر شے کی قدر (VALUE) متعین ہوتی ہے، اسی معیار پر ہر شے کو پرکھا جاتا ہے۔

یہی ایک طریقِ فکر اور نظریۂ حیات فیصلہ کرتا ہے کہ انسان پر اپنے پروردگار کے کیا حقوق ہیں، خود اس کے اپنے نفس کے کیا حقوق ہیں، ماں باپ کے، بیوی بچوں کے کیا حقوق ہیں، عزیز و

www.toobaaelibrary.com

قرابت داروں، پڑوسیوں، معاملہ داروں، ہم مذہبوں، اور غیر مذہب والوں کے کیا حقوق ہیں ۔ دشمنوں اور دوستوں کے، ساری نوعِ انسانی کے حتی کہ کائنات کی ہر شے کے کیا حقوق ہیں — وہ ان تمام حقوق کا تعین بھی کرتا ہے اور ان کے درمیان کامل توازن اور عدل بھی قائم رکھتا ہے ۔

پھر یہی طریقِ فکر اور نظریۂ حیات انسان کی زندگی کا ایک بلند اخلاقی نصب العین اور ایک پاکیزہ روحانی منتہائے نظر متعین کرتا ہے اور زندگی کی تمام سعی و جہد کو خواہ وہ کسی میدان میں ہو ایسے راستوں پر ڈالنا چاہتا ہے جو ہر طرف سے اسی "ایک مرکز" کی طرف راجع ہوں ۔

یہ مرکز ایک فیصلہ کن چیز ہے جو شے اس مرکزی مقصد تک پہنچنے میں مددگار ہوتی ہے اسے اختیار کر لیا جاتا ہے اور جو شے سدِ راہ ہوتی ہے اُسے رد کر دیا جاتا ہے — فرد کی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملات سے لیکر جماعت کی زندگی کے بڑے سے بڑے معاملات تک یہ معیار یکساں کارفرما ہے ۔

وہ اس کا بھی فیصلہ کرتا ہے کہ ایک شخص کو کھانے پینے میں، لباس میں، صنفی تعلقات میں، لین دین، بات چیت میں، غرض زندگی کے ہر معاملے میں کن حدود کو ملحوظ رکھنا چاہیئے تاکہ وہ "مرکزِ مقصود" کی طرف جانے والی "سیدھی راہ" پر قائم رہے اور ٹیڑھے راستوں پر نہ پڑ جائے ۔

اس کا فیصلہ بھی کرتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں افراد کے باہمی روابط کن اصولوں پر مرتب کیے جائیں جن سے معاشرت، معیشت، سیاست غرض ہر شعبۂ زندگی کی ترقی ایسے راستوں پر ہو جو اصل منزلِ مقصود کی طرف جانے والے ہوں اور وہ راہیں اختیار نہ کریں جو اس سے دور ہٹانے والی ہوں ۔

اس کا فیصلہ بھی کرتا ہے کہ زمین و آسمان کی جن قوتوں پر انسان کو دسترس حاصل ہو اور جو چیزیں اس کے لیے مسخر کی جائیں ان کو وہ کن طریقوں سے استعمال کرے تاکہ وہ اس کے مقصد کی خادم بن جائیں اور کن طریقوں سے اجتناب کرے تاکہ وہ اس کی کامیابی میں مانع نہ ہوں ۔

غرض وہ ایک ہی نقطۂ نظر، طریقِ فکر اور طرزِ عمل ہے جو مسجد سے لیکر بازار اور میدانِ جنگ تک، طریقِ عبادت سے لیکر ریڈیو اور ہوائی جہاز کے استعمال تک، غسل و وضو اور طہارت و استنجاء کے جزدی مسائل سے لیکر اجتماعیات، معاشیات، سیاست اور بین الاقوامی تعلقات تک کے بڑے سے بڑے مسائل تک ۔ مکتب کی ابتدائی تعلیم سے لیکر آثارِ فطرت کے انتہائی مشاہدات اور قوانینِ طبعی کی بلند ترین تحقیقات تک، زندگی کی ہر حرکت اور فکر و عمل کے تمام شعبوں کو ایک ایسی "وحدت" میں پروتا ہے جس کے تمام اجزاء میں ایک مقصدی ترکیب ہے ۔ اور ان سب کو ایک مشین کے پرزوں کی طرح اس طرح جوڑتا ہے کہ ان کی حرکت سے ایک ہی نتیجہ برآمد ہو ۔

www.toobaaelibrary.com

اسلام کا یہ فکر، یہ نقطۂ نظر اور طرزِ عمل ایک "انقلابی فکر" ہے ــــ یہ فکر دین اور دنیا، مذہب اور سیاست کو یکجا کر کے ان کے مجموعے پر الکتاب اور الرسول کی بالادستی قائم کرتا ہے، تاکہ اس کے نتیجے میں عدلِ اجتماعی (SOCIAL JUSTICE) کا وہ نظام قائم ہو جائے جو انسانی حریت، اخوت، مساوات کے متوازن مجموعے کی حیثیت سے مخلوق کے لئے اس کے خالق و پروردگار کی رحمت و ربوبیت کا جامع اور کامل مظہر بن جائے۔

○

دیوبند نے اسلام کے اس انقلابی فکر کو کس طرح نکھارا اس کے منتشر اجزاء کو کس طرح یکجا کیا ــــ اس میں کس طرح توازن اور اعتدال باقی رکھا۔ اس گلدستۂ نبوت کے ہر پھول کی آب و تاب کو کس طرح جلوہ گر کیا یہی ہمارا موضوع ہے ــــ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دیوبند جس مسلک اور مکتبِ فکر کا نام ہے وہ قرآن و سنت کے مزاج و ذوق اور روح و فکر کو کس طرح اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے ــــ یہ مسلک کتنا "جامع" ہے کہ اس نے کسی گوشے اور کسی حصے کو نہ تو نظر انداز کیا اور نہ کسی ایک حصے کو دوسرے حصے پر اتنا غالب ہونے دیا کہ دوسرا حصہ دب کر رہ جائے ــــ "جامعیت اور اعتدال" اس مسلک کا امتیاز ہے ــــ اس مسلک میں ہر ہر چیز پوری تحقیق اور دلیل کے ساتھ ہے مگر وہ آزاد روی نہیں ہے جو تحقیق کے نام پر بعض اوقات راہِ راست سے ہٹا دیتی ہے ــــ یہاں اسلاف و اکابر کا احترام بھی ہے، ان سے پورا پورا استفادہ بھی ہے، ان کے کارناموں کی قدر و منزلت بھی ہے اور اس کے ساتھ تحقیق سے بھی روگردانی نہیں ہے ــــ گویا یوں سمجھ لیجئے کہ قرآن و سنت کے حقیقی سرچشموں تک رسائی کے لئے اکابر و اسلاف کی تحقیقات کے زینوں پر چڑھتے ہوئے علمائے دیوبند جب قرآن و سنت کے چشمۂ آبِ حیات تک پہنچتے ہیں اور وہاں سے وہ صاف و شفاف "آبِ حیات" لیکر واپس آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان اکابر و اسلاف کے فکر و فہم نے کہیں ٹھوکر تو نہیں کھائی ــــ کوشش کرتے ہیں کہ ان کے رد کے بجائے بہتر تاویل اور مناسب تعبیر ہو سکے جس سے ان کی منزلت بھی باقی رہے ــــ اور ایسا ممکن نہیں ہوتا تو ان کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے رَد کرنے میں بھی تکلف نہیں ہوتا۔ ــــ "یہ محقق مقلد" نہ تو تحقیق سے بے نیاز ہیں اور نہ تحقیق کے زعم میں تقلید کا دامن چھوڑتے ہیں ــــ یہاں نہ جاہلانہ تقلید ہے اور نہ متکبرانہ تحقیق۔

اس عجز و انکسار کے ساتھ ان میں خدا ترسی، خشیت، فکرِ آخرت اور اصل مقصود عمل تربیت، تزکیۂ نفس و باطن، رضائے خداوندی کا حصول ہے جو انسان کا اصل مقصود و مطلوب ہے۔

www.toobaaelibrary.com

ضلع سہارنپور یوپی کے قصبہ دیوبند کا "دارالعلوم" مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے نام سے ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ (۳۰ مئی ۱۸۶۷ء) پنجشنبہ، یوم الخمیس (جمعرات) کو قائم ہوا ــــ گویا اس تاریخ پر مسلکِ دیوبند نے ایک ادارے اور قافلے کی شکل اختیار کی ــــ اگر زمان و مکان کے فاصلے نظرانداز کر دئے جائیں ــــ تو صحابۂ کرام کے چلتے پھرتے نمونے آپ دیوبند کے اکابر علماء وصلحاء کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں ــــ رب العزت گواہ ہے کہ اس میں نہ کوئی مبالغہ ہے اور نہ عقیدت کا غلو ــــ قول وعمل، علم وآگہی اور فکر وفہم کی شہادتوں اور ان حضرات کی تصانیف وکتب کے مطالعہ کے نتیجے میں جو سامنے آیا وہ یہی ہے۔

اور آج یہ قلم اس موضوع پر اسلئے حرکت کر رہا ہے کہ "اتحادِ امت" کی تعبیر اگر مل سکتی ہے تو صرف اسی مسلک اور مکتبِ فکر کی صورت میں مل سکتی ہے ــــ ملت کا تشتت وافتراق اور انتشار اگر ختم ہو سکتا ہے تو اسی "جامعیت" کی صورت میں ہو سکتا ہے ــــ الجماعہ اور السنہ کے الفاظ عملی روپ میں آسکتے ہیں تو اسی مسلک اور مکتبِ فکر کی صورت میں آسکتے ہیں ــــ یہاں نہ تصوف وخانقاہیت سے انکار ہے نہ نظمِ اجتماعی اور حکومتِ الٰہیہ اور اقامتِ دین سے، نہ یہاں تحقیق وریسرچ کے دروازے بند ہیں، نہ اجتہاد کے ــــ نہ یہاں تقلید سے انکار ہے نہ اولیاء دین کے احترام وتقدیس سے، یہاں نہ مزاروں کی بے حرمتی اور انہدام ہے نہ یہاں قبر پرستی۔ یہاں نہ بدعات وخرافات ہیں اور نہ رسمیں ــــ یہاں قدامت کا استحکام بھی ہے اور جدت کی تراوٹ بھی۔ ــــ مگر ہر ہر چیز اپنے اپنے مقام پر، اپنی اپنی جگہ پر پورے اعتدال وتوازن کے ساتھ ہے ــــ "قرآن وسنت" اس مسلکِ جامع کا مرکز ہے مگر اس کی تعبیر وتفسیر ٹھیک ٹھیک حاملِ وحی کے منشاء کے مطابق اور ان تمام عظیم ہستیوں صحابہ کرام وعظام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے عمل کے مطابق ہے جن سے بہتر، معیاری اور عالی مرتبت انسان اس زمین پر آسمان نے آج تک نہیں دیکھے۔

اب ہم ایک ایک حصے کو لے کر مختصر سا جائزہ لیں گے کہ قرآن وسنت کے منشاء کو مسلکِ دیوبند نے ٹھیک ٹھیک کس طرح متعین کیا ہے مگر اس سے پہلے یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ۔

(۱) **دین** ــــ ایک ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران-۱۹)
اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

www.toobaaelibrary.com

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۔ (آل عمران ۔ ۸۵)

اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

انسان اللہ کو اپنا مالک و معبود تسلیم کرے اور اس کی بندگی اور غلامی میں اپنے آپ کو بالکل سپرد کردے اور اس کی بندگی بجالانے کا طریقہ خود ایجاد نہ کرے بلکہ اس نے پیغمبروں کے ذریعے جو ہدایت بھیجی ہے کسی کمی بیشی کے بغیر صرف اسی کی پیروی کرے اسی طرزِ فکر و عمل کا نام اسلام ہے۔

عالمِ انسانی کے آغاز سے لیکر دنیا کے خاتمے تک وہ تمام انسان "مسلم" ہیں جنھوں نے اپنے شعور اور ارادے سے اللہ کے سچے پیغمبروں کے ذریعے آئی ہوئی ہدایت کو قبول و تسلیم کیا۔

اس آئینِ الٰہی کے تفصیلی ضابطوں کا نام "شریعت" ہے

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا (مائدہ ۔ ۴۸)

ہم نے تم سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی ہے۔

اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اسلام کے تفصیلی ضابطے جو ہم تک پہنچے ہیں وہ آخری شریعت ہے اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے لیکر اس دنیا کے خاتمے تک صرف "شریعتِ محمدی" ہی قابل قبول ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (جاثیہ ۔ ۱۸)

(پھر (انبیائے بنی اسرائیل کے بعد) اے محمد ہم نے تم کو دین کے معاملے میں ایک شریعت (طریقے) پر قائم کیا، پس تم اسی کی پیروی کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ (اعراف ۔ ۳)

تمہارے رب نے جو قانون تم پر اتارا ہے اسپر چلو اور خدا کو چھوڑ کر دوسرے اولیاء کی پیروی نہ کرو۔

اس شریعتِ محمدی کے ضابطے اور قانون تین پائیدار، اٹل اور ناقابل تغیر اصولوں پر قائم ہیں۔ جن میں نہ کوئی تبدیلی ہوسکتی ہے اور نہ ان میں کوئی اختلاف رائے ہوسکتا ہے۔

(۱) وہ قطعی اور صاف احکام جو قرآن مجید اور ثابت شدہ حدیثوں میں دئے گئے ہیں جیسے

www.toobaaelibrary.com

شراب اور سود کا حرام ہونا، چوری، زنا، اور جھوٹا الزام لگانے کی سزائیں، میت کے ترکے میں وارثوں کے مقررہ حصے۔

(۲) وہ اصولی احکام جو بطور اصول کے قرآنِ مجید اور احادیثِ نبوی میں بیان کر دئے گئے ہیں جیسے ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز حرام ہے۔ مرد عورتوں کے اوپر قوام و نگراں ہیں۔ اصولی طور پر بتا دیا گیا کہ لین دین کے وہ طریقے باطل ہیں جن کے منافع کا تبادلہ باہمی رضامندی سے نہ ہو۔

(۳) حدود —— قرآن و حدیث میں کچھ حدود مقرر کر دی گئیں کہ... ہم اپنی آزادیٔ عمل کو ان کے اندر اندر محدود رکھیں اور کسی حال میں ان سے آگے نہ بڑھیں جیسے ایک مرد کے نکاح میں ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار شادیوں کی حد مقرر کر دی گئی —— طلاق کے لئے زیادہ سے زیادہ تین کی حد مقرر کر دی گئی ہے۔ وصیت کے لئے ایک تہائی مال کی حد رکھدی گئی۔

دین اور شریعت کا یہ وہ حصہ ہے جس میں رائے کا کوئی اختلاف نہیں ہے، تبلیغ و دعوت کا تعلق اسی دین کے ساتھ ہے ہر وہ شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہے جو دین کی اس بنیاد کو تسلیم و قبول کرتا ہے —— اس میں کوئی فرقہ بندی، گروہی اختلاف اور ذوق و مسلک کا فرق نہیں ہے —— ساری ملتِ اسلامیہ جو اس دائرہ میں ہے وہ "امتِ اجابت" ہے جس نے اس کو قبول کیا ہے۔

(۲) وحدتِ دین کے بعد دوسرا نمبر "مسلک (یا مذہب)" کا ہے —— دین کی وحدت کے بعد مسلک (یا مذہب) کے دائرے میں چار چیزیں آتی ہیں:۔

تعبیر احکام —— قیاس —— استحسان —— اجتہاد

○ تعبیرِ احکام کا مطلب یہ ہے کہ جن الفاظ میں حکم دیا گیا ہے ان کا مفہوم سمجھنے اور ان کا منشاء متعین کرنے کی کوشش کرنا —— احکام کی تعبیر میں اہلِ علم کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسے ایک ہی قانون کی تعبیر اور تاویل میں ججوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں اس سے قانون میں غور و فکر کا موقعہ ملتا ہے اور ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔

○ قیاس کا مطلب یہ ہے کہ جس معاملے میں قانون میں کوئی صاف حکم نہ ملتا ہو اس میں یہ دیکھا جائے کہ کتاب و سنت میں اس سے ملتا جلتا کوئی دوسرا حکم موجود ہے جس کو نظیر اور مثال بنا کر یہ حکم نکالا جائے، مقدمات میں عام طور پر دوسرے مقدموں کے فیصلے بطور نظیر اور مثال کے دیکھے جاتے ہیں —— ٹیکنیکل اور اصطلاحی زبان میں "علتِ مشترکہ" کی تلاش کو قیاس کہا جاتا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

اس کو آسانی کے لئے ایک مثال سے سمجھ لیجئے :۔

قرآن مجید میں کچھ آیتیں ہیں جن کی تلاوت پر سجدہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ سجدہ کی ایک مخصوص شکل ہے جس میں پیشانی زمین پر رکھی جاتی ہے ـــــ اگر کوئی شخص نماز میں "آیتِ سجدہ" پڑھے اور رکوع کرتے ہوئے سجدۂ تلاوت کی بھی ساتھ ہی نیت کر لے تو "صرف نماز میں" اس کی اس نیت کی وجہ سے رکوع میں ہی سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا ـــــ نماز سے باہر سجدہ کی آیت پڑھے تو رکوع کافی نہ ہوگا سجدہ ہی کرنا پڑے گا۔

ایسا کیوں ہے ـــــ؟ یہ اس لئے کہ آیتِ سجدہ کی تلاوت پر سجدہ کرنے کا منشاء تعظیم اور اظہارِ عظمت ہے۔ رکوع میں عظمت کا اظہار اتنا نہیں ہے جتنا سجدہ میں ہے۔ اسلئے نماز سے باہر آیتِ سجدہ کی تلاوت پر رکوع کافی نہ ہوگا، سجدہ ہی کرنا ہوگا۔

مگر نماز میں معاملہ ذرا مختلف ہے کہ نماز میں رکوع اور سجدہ دونوں تعظیم کے اظہار میں یکساں ہیں دیکھئے قرآن مجید میں ہے :۔

وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ أَنَابَ (ص-۲۴) سجدہ میں گر گئے اور خدا کی طرف متوجہ ہوئے۔

قرآن مجید کی آیت (نص) سے ثابت ہے کہ نماز میں رکوع اور سجدہ دونوں مشابہ ہیں۔ مشابہت کی اس علت سے یہ مسئلہ قیاس کے ذریعے سامنے آیا۔

اس قیاس سے کوئی نیا مسئلہ نہیں نکالا گیا بلکہ آیت کے منشاء کو ظاہر کر دیا گیا جس کے لئے بہرحال سمجھ بوجھ اور تفقہ کی ضرورت ہے ـــــ عام آدمی اس طرح مسئلے ثابت نہیں کر سکتا۔ یہ فقیہ کی ہی نظر ہے ـــــ کہ ہر باریک پہلو تک پہنچ جاتی ہے۔

○ اب تیسرا معاملہ استحسان کا لیجئے، شریعت اسلامیہ میں مباح چیزوں کے وسیع دائرے میں جب کسی معاملے کے دو پہلو ہوں تو کسی مضبوط اور قوی دلیل کی وجہ سے کسی ایک پہلو کو ترجیح دیجائے، استحسان کے ذریعے قیاس کو مزید نکھار دیا جاتا ہے۔

اس کو بھی ایک مثال سے سمجھ لیجئے :۔

شریعت میں، درندے جانوروں کا جھوٹا ناپاک ہے، کیونکہ درندوں کا گوشت حرام ناپاک ہے، ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔ لعابِ دہن گوشت سے بنتا ہے وہ بھی ناپاک ہے؛ اگر درندہ کسی چیز میں منھ ڈال دے تو اس کے لعابِ دہن (منہ کا تھوک) اس میں مل جانے کی وجہ سے وہ چیز ناپاک ہو جائیگی اس اصول کا تقاضا یہ تھا کہ جس طرح حرام درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے اسی طرح ان پرندوں کا

www.toobaaelibrary.com

جھوٹا بھی ناپاک ہو جن کا گوشت کھایا جانا جائز نہیں ہے۔

مگر دیکھا گیا کہ درندہ کھاتے وقت اپنی زبان سے مدد لیتا ہے جس سے اس کا لعاب اس چیز میں مل جاتا ہے مگر پرندہ چونچ کے ذریعے زبان پر لے جاتا ہے ــــ تو اس چیز میں چونچ لگتی ہے زبان نہیں لگتی جس سے لعابِ دہن مل سکے چونچ ہڈی ہے اور ہڈی پاک ہے۔

اس دلیل کی وجہ سے اس پہلو کو ترجیح دی گئی کہ حرام پرندے کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے۔

○ چوتھی چیز ہے اجتہاد، یعنی شریعت کے اصول اور ہدایات کی روشنی میں ان معاملات کی وضاحت کی پوری کوشش کرنا کہ جس میں کوئی دوسری نظیر بھی سامنے نہ ہو۔

یہ مذکورہ بالا چاروں چیزیں تعبیرِ احکام، قیاس، استحسان اور اجتہاد. تمدن کی روزافزوں ضروریات اور متغیر حالات میں شریعت کے مطابق رہنمائی اور قانون سازی کا دروازہ کھلا رکھتی ہیں۔

مگر دروازہ کھلا رکھنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر راہ رو اس دروازے سے داخل ہو جائے اس کے لئے قانونی تعلیم اور ذہنی تربیت کا ایک خاص معیار ہے ــــ اور دنیا میں کبھی کبھی کسی میدان میں ایسا نہیں ہوتا کہ ضروری معیار پر پورا اترے بغیر کسی شخص کو ماہرانہ رائے زنی کا حق دیدیا جائے۔

○ تعبیرِ احکام کے اسلوب کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اس زبان کی نزاکتوں سے پوری طرح واقف ہو جس زبان میں یہ حکم دئے گئے ہیں، ان حالات سے واقف ہو جن میں ابتدا ئً یہ احکام دئے گئے تھے، قرآن کے اندازِ بیان کو اچھی طرح سمجھتا ہو، اور حدیث کے پورے ذخیرے پر وسیع نگاہ رکھتا ہو۔

○ قیاس کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اتنی لطیف قانونی حس رکھتا ہو جو ایک معاملہ کو دوسرے معاملے پر قیاس کرتے ہوئے انہیں مماثلت کے تمام پہلوؤں کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکے ورنہ ایک حکم کو دوسرے حکم پر منطبق کرنے میں وہ غلطی سے نہیں بچ سکتا۔

○ استحسان کے لئے ناگزیر ہے کہ آدمی دین کے مزاج اور اس کے نظامِ زندگی کو اچھی طرح سمجھتا ہو تاکہ مباحات کے دائرے میں جو قوانین وضوابط وہ تجویز کرے وہ اس نظامِ زندگی کے مجموعے میں صحیح طور پر جذب ہو سکیں۔

○ اجتہاد کے دائرے میں شریعت کے احکام میں گہری بصیرت اور معاملاتِ زندگی کا عمدہ فہم ہونا چاہیئے اور صرف عام فہم ہی نہیں بلکہ دینی اور اسلامی نقطۂ نظر سے فہم درکار ہے۔

www.toobaaelibrary.com

ان علمی اور ذہنی صلاحیتوں سے بڑھ کر ایک اور چیز بھی درکار ہے جس کے بغیر اسلامی قانون کا ارتقار کبھی صحیح خطوط پر نہیں ہوسکتا۔ اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ اس کام کو انجام دیں۔ ان کے اندر اسلام کی پیروی کا ارادہ اور اللہ کے سامنے اپنی جواب دہی کا پورا احساس ہو۔ یہ کام ان لوگوں کے کرنے کا نہیں ہے جو اللہ اور آخرت سے بے پروا ہوکر محض دنیاوی مصلحتوں پر نگاہ جما چکے ہوں اور اسلامی قدروں کو چھوڑ کر کسی دوسری تہذیب کی قدریں پسند کر چکے ہوں۔

جہاں تک اسلامی قانون کے ارتقار کا معاملہ ہے تو جو بنیادی اصول اور احکام چودہ سو برس پہلے دیئے گئے تھے، اس کی بنیاد پر تعبیرِ احکام، قیاس، استحسان اور اجتہاد کے ذریعے روزمرہ پیش آنے والے معاملات میں اس کا ارتقار روزِ اول سے شروع ہوگیا تھا ـــــ پھر جب اسلامی اقتدار وسیع ہوکر بحر الکاہل سے لیکر بحر اوقیانوس تک آدھی سے زیادہ مہذب دنیا پر پھیل گیا تو تمام اسلامی ریاستوں کا نظم ونسق اسی قانون پر چلتا رہا، ہر دور اور ہر ملک کے حالات وضروریات کے مطابق اس قانون میں مسلسل توسیع ہوتی رہی۔ انیسویں صدی کی ابتدار تک اس کا ارتقار ایک دن کے لئے بھی نہیں رکا، خود ہندوستان میں انیسوی صدی کے آغاز تک اسلام ہی کا دیوانی اور فوجداری قانون جاری رہا۔

اس موڑ پر یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ اسلامی قانون کا ڈھانچہ جو اللہ اور رسول کے مقرر کیے ہوئے قطعی احکام، اصول اور حدود پر مشتمل ہے وہ ناقابلِ تغیر اور مسلّم ہے اس میں کوئی اختلاف رائے نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔

کسی حکم کی کوئی تعبیر جو کسی فقیہ یا امام نے سمجھی، یا کوئی مسئلہ جو قیاس و اجتہاد سے کسی عالم نے نکالا یا کوئی فتویٰ جو استحسان کی بنار پر کسی مفتی نے دیا وہ اس وقت تک قانون کا ایک حصہ نہیں بنتا جب تک اس پر اجماع (اتفاق رائے) نہ ہو جائے۔ یا جمہور (علمار کی اکثریت) اس کو تسلیم کرکے اس پر فتوی جاری نہ کردے اس کے بغیر اس کی حیثیت ایک تجویز کی رہتی ہے

اور یہ اجماعی اور جمہوری فیصلے بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ فیصلے ہیں جن پر تمام امت کا اجماع (اتفاق رائے) رہا ہے ـــــ یا دنیائے اسلام کی اکثریت نے جن کو قبول کرلیا ہے۔

دوسرے وہ فیصلے ہیں جن پر کسی وقت کسی ملک کے اہلِ علم کا اجماع ہوجائے یا ان کی اکثریت انہیں قبول کرلے۔

پہلی قسم کے فیصلے جن پر تمام امت کا اجماع اور اتفاق رائے رہا ہے وہ نظرثانی کے قابل

www.toobaaelibrary.com

نہیں ہیں۔ رہے دوسری قسم کے فیصلے یعنی جن پر کسی وقت کسی ملک کے اہلِ علم کا اتفاق رائے رہا ہے نظرِ ثانی کے قابل رہیں گے ــــــ اپنے ملک کے حالات اور معاملات کو سامنے رکھتے ہوئے حکمِ خُدا اور ارشادِ رسول کی جس تعبیر یا جس قیاس و استحسان یا جس اجتہاد پر ہمارے ملک کے ارباب حل وعقد اہلِ علم کا اتفاق رائے (اجماع) ہو جائے گا یا ان کی اکثریت اسکو اختیار کر یگی، اس کی حیثیت اس ملک کے لئے قابلِ عمل قانون کی سمجھی جائے گی۔

اس مذکورہ بحث کا تعلق "مذہب" اور اس میں رائے کے اختلافات سے تھا۔ جس میں نہ صرف یہ کہ اختلاف کی گنجائش موجود ہے بلکہ نیک نیتی کے ساتھ رائے کا اختلاف باعثِ رحمت ہے، باعثِ ترقی ہے۔

(۳) اب تیسری بات "مشرب" کی ــــــ

دین ــــــ مسلک ــــ اور اس کے بعد "مشرب"

"مشرب" کا مطلب طرزِ عمل، ایسا طرزِ عمل جس میں مراتب کے فرق کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر ایک کے حقوق اور حدود کی رعایت کا مزاج بن جائے۔

اس کی تشریح یوں سمجھ لیجئے کہ دین صرف کتاب میں لکھے ہوئے الفاظ اور نقوش کا نام نہیں ہے اور نہ دین محض کتابوں سے سمجھا جاسکتا ہے اس لئے اللہ نے ہمیشہ کتاب کے ساتھ رسول کو بھی بھیجا ہے۔

ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ دنیا میں پیغمبر بھیجے گئے مگر کتاب نہیں آئی مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ صرف کتاب بھیجی گئی اور اس کے ساتھ رسول کوئی نہ آیا ہو۔

کتاب اللہ کو رسول اللہ کا عمل سمجھاتا ہے ــــ اور رسول کی سنت اور طریقے کو صحابہ رضہ سمجھتے ہیں، صحابہ کے طریقے کو تابعین سمجھاتے ہیں ــــ تابعین کے طریقے کو دوسرے بزرگانِ دین کے عمل کی روشنی ہی میں ٹھیک ٹھیک سمجھا جاسکتا ہے، اس کے بغیر دین کی عملی تعبیر اور تشریح نہیں ہوسکتی۔

مرتبوں کا فرق ضرور ہے جو مقام اللہ کا ہے وہ کسی نبی کا نہیں ہوسکتا ــــ جو مرتبہ نبی کا ہے وہ کسی صحابی کا نہیں ہوسکتا ــــ اور جو درجہ ایک صحابی کا ہے وہ کسی بڑے سے بڑے ولی کا نہیں ہوسکتا۔

ان مراتب کے فرق کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر ایک کے حقوق اور حدود کی رعایت اور ان سے کسبِ فیض یہی راہِ اعتدال دیوبند کا مکتبِ فکر اور اس کا مشرب و مسلک اور نقطۂ نظر ہے ــــ

www.toobaaelibrary.com

دیوبند کا فکر یہ ہے کہ دین " کتاب اللہ اور رجال اللہ" کے مجموعے سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہی راہِ اعتدال افراط اور تفریط سے، بچاتی ہوئی انسان کو رضائے الٰہی تک پہنچاتی ہے جو دنیا میں انسان کی پیدائش کا مقصد ہے ـــــ اور دنیا میں اس کا رویہ کیا ہونا چاہیئے ؟ اس سوال کا صحیح جواب ہے۔ یہی راہِ اعتدال وہ ذوق و مسلک اور مکتبِ فکر ہے جس کے ذریعے دیوبند نے عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، سیاست اور اجتماعی زندگی میں تابناک کردار پیش کئے ہیں۔

دین ـــــ مسلک ـــــ اور مشرب کے فرق کو سمجھنے اور علمائے دیوبند کا مجموعی مشرب معلوم ہونے کے بعد اب ہم کچھ اہم گوشوں پر الگ الگ کلام کریں گے اور قرآن و سنت کی روشنی میں اس کا جائزہ لیں گے۔

۱۔ توحید

○ جس چیز کو عقیدہ کہا جاتا ہے وہ دراصل کسی نظریے پر یقین اور اس کو ماننے کا نام ہے، کسی بات کے صحیح ہونے پر دل کو یقین نہ ہو، بے یقینی اور تذبذب ہو کہ معلوم نہیں ایسا ٹھیک ہے یا نہیں ہے ؟ تو عمل کے لئے جوش اور ولولہ پیدا نہیں ہو سکتا ـــــ "بے یقینی" ایک مہلک بیماری کی طرح ہے جس میں اگر انسان مبتلا ہو جائے تو اس کی غیر معمولی صلاحیتیں بھی بیکار ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور جوشِ عمل نہ ہو تو اس میں رہ کیا جاتا ہے ـــــ ؟ مٹی کا ایک ڈھیر۔

زندگی کی دشوار جدوجہد میں کامیابی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے ان میں بنیادی چیز "یقینِ محکم" ہے۔ یقین سے ہی انسان سراپا عمل بنتا ہے، اسی سے قربانی کے لئے آمادگی پیدا ہوتی ہے اور اسی سے استقامت اور جماؤ نصیب ہوتا ہے۔ یقین کی مثال ایسی ہے جیسے عمارت کی بنیاد ـــــ جو اگرچہ نظر نہیں آتی مگر پوری عمارت کا بوجھ اٹھائے رکھتی ہے ـــــ بنیاد مضبوط ہو تو اس پر اونچی سے اونچی عمارت بنائی جا سکتی ہے ـــــ کمزور بنیاد پر کوئی عمارت نہیں اٹھ سکتی۔

○ اگر صحیح حقیقت کے بجائے کسی غلط نظریے کو مان لے اور غلط عقیدے پر یقین قائم ہو جائے ـــــ اور علم و عرفان کے بجائے لاعلمی، جہالت اور گمراہی دل میں گھر کر جائے تو یہی یقین تباہی لے آتا ہے، ایسے غلط یقین سے جو لاعلمی پر قائم ہو انسان اندھا اور گمراہ ہو جاتا ہے ـــــ حق بات

www.toobaaelibrary.com

کے لئے اس کے دل کے دروازے بند ہوجاتے ہیں —— وہ آنکھیں رکھتے ہوئے نہیں دیکھتا اور کان رکھتے ہوئے بھی نہیں سنتا :-

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ	ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے
لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا	نہیں ، آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں
وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا	کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں مویشیوں
اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ	کی طرح بلکہ ان سے زیادہ گم کردہ راہ ،
اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ	سراپا غافل ۔

(اعراف —— ۱۷۹)

اندھ وشواس (BLIND FAITH) کی وجہ سے انسان زندگی کی تباہ کن راہوں پر چل پڑتا ہے ۔ غلط نصب العین کے لئے جیتا اور مرتا ہے ، باطل کے لئے اپنی صلاحیتیں صرف کرتا ہے ، خود بھی تباہ ہوتاہے اور دوسروں کو بھی تباہی میں مبتلا کر دیتا ہے ۔

○ ایک خوبصورت اور لہلہاتے چمن کو دیکھ کر ذہن لازمًا اس مالی اور باغبان کی طرف جائے گا جس کی محنت اور ذوق نے اس چمن کو جنم دیا ۔
ایک خوبصورت عمارت کو دیکھ کر اس کے معمار کی طرف دھیان جائے گا ۔
ایک مشین کو دیکھ کر مشین بنانے والے کی تعریف کی جائے گی
ایک باغ کا حسن وجمال —— ایک عمارت کی دل کشی —— اور ایک مشین کی کاریگری اپنے خالق کی گواہی دیتی ہے —— تو اس کائنات اور خود انسان کا وجود بھی اپنے خالق اور پروردگار کا گواہ ہے —— خالق کی سب سے بڑی شہادت اس کی مخلوق ہے ۔

○ باغبان اپنے چمن میں —— معمار اپنی عمارت میں —— اور مشین بنانے والا اپنی مشین کے اندر نہیں ملتا —— وہ ان سے باہر ملتا ہے ۔ اس کے "ہونے" کو کہ وہ "ہے" اور لازمًا ہے ۔ ہم کسی آلے اور حواس سے نہیں "عقل" سے معلوم کرسکتے ہیں —— یہ عقلِ عام (COMMON SENCE) کا مسئلہ ہے ۔

○ خالق کے وجود کے لئے جہاں خود مخلوق کا وجود اور عقل گواہ ہے —— وہاں ایک بڑی گواہی "انسانی فطرت" کی بھی ہے —— یہ انسانی فطرت کیا ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ[1] دہلوی رح کے الفاظ میں :-

[1] احمد شاہ بن عبدالرحیم الحنفی لقب شاہ ولی اللہ (دہلوی) ۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۳ء — ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء

www.toobaaelibrary.com

"اللہ تعالیٰ نے ہر ہر نوع کے لئے کچھ ظاہری — اور — باطنی خصوصیات علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائی ہیں، جن کی وجہ سے ان انواع میں باہمی امتیاز قائم ہے۔
مثلاً پرندوں کے لئے پر، پنجے، چونچ — چوپایوں کے لئے جسم پر بال، ایک بچھا ہوا قامت، ایک مخصوص انداز کے پاؤں — پھر ہر ہر نوع کے لئے مخصوص مخصوص رنگ، جدا جدا مقدار و صورت مقرر کی ہے۔
یہ تو ان کی ظاہری خصوصیات ہوئیں —
اب اسی طرح ان کی کچھ باطنی خصوصیات بھی ہیں —
مثلاً شہد کی مکھی کا مخصوص پھولوں سے عرق نکال کر کیمیاوی طریقے پر شہد تیار کرنا — بعض پرندوں کا اس نزاکت سے گھونسلہ بنانا کہ عقلِ انسانی بھی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جائے۔
جب سے عالم پیدا ہوا ہے شہد کی مکھی سے لیکر ایک ہاتھی تک اپنی اپنی ظاہری و باطنی خصوصیات کے ساتھ پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں — اسلئے یہ خصوصیات ان کی فطرت کہلاتی ہیں۔
اب حضرتِ انسان پر ذرا غور کیجئے — اس میں بھی نوعی طور پر کچھ ظاہری و باطنی خصوصیات ہیں۔ جو، ان ہی خصوصیات کو لئے ہوئے ہر دَور زندگی میں مشترک طور پر نظر آتی ہیں۔ یہی اس کی فطرت کہلاتی ہیں۔
مثلاً اس کی ظاہری خصوصیات یہ ہیں کہ اس کے جسم پر نہ پرندوں کے سے پر ہیں، نہ حیوانات کے سے بال۔ ایک مخصوص انداز کا سیدھا اور صاف قامت ہے۔ ایک مخصوص قسم کا دل کش رنگ اور ایک مخصوص انداز کی دلربا صورت۔
اس کی باطنی خصوصیات میں اس کی عقل — وہ عقل جس میں اپنے خالق کی معرفت کی طلب، اس کی عبادت کا جذبہ، اس کی رضامندی کی تڑپ ہے۔
پیدائشِ عالم سے لیکر اگر نوعِ انسانی پر غور کروگے تو جسطرح دیگر حیوانات اپنی ان باطنی خصوصیات میں متفق نظر آتے ہیں — اسی طرح نسلِ انسانی اس مطالبہ میں اختلاف نہیں رکھتی — اسلئے یہ اس کی فطرت کہلانا چاہیئے —

www.toobaaelibrary.com

جمہور عالم کو مذہبی تلاش اسی فطری آواز کے تحت ہے ـــــ ہاں کبھی بیرونی اسباب اور اس کے ماحول کے اثرات اسے اتنا متاثر کر دیتے ہیں کہ اس میں خالق کی تلاش نہیں رہتی اور اگر رہتی بھی ہے تو طبیعت غلط راستے کی طرف بھٹکنے لگتی ہے. مگر ان اثرات کو فطرت نہیں کہا جاسکتا، خلافِ فطرت کہا جائے گا. جیسا کہ بھوک لگنا، مذکر کا مونث کی طرف میلان، اسبابِ زینت سے اپنے نفس کو آراستہ کرنا' یہ انسان کی فطرت ہے مگر جب یہودیت و نصرانیت کا بھوت اس کی فطرت کو مسخ کردیتا ہے تو رہبانیت کی زندگی اسے محبوب نظر آنے لگتی ہے، گرسنگی اور عزابت (نکاح نہ کرنے) کی زندگی مرغوب بن جاتی ہے. یہ فطرت نہیں، خلافِ فطرت ہے."

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۳۶-۷۹- ۱۶۶- ۱۶۷)

لہٰذا مخلوق کا وجود ـــ انسان کی عقل - اور اس کی فطرت خالق کے وجود کی گواہی دیتی ہے۔

○ دوسرا توجہ طلب پہلو اس کائنات کا بے مثال نظم اور اس نظم کے پیچھے لاجواب منصوبہ بندی ہے۔

ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ سورج ایک مقررہ وقت پر نکلتا ہے اور ایک مقررہ وقت پر ڈوبتا ہے ـــ طلوع و غروب کے اس نظام میں اتنی باقاعدگی ہے کہ برسوں پہلے یہ بتایا جاسکتا ہے کہ سورج فلاں وقت پر نکلے گا اور فلاں وقت پر ڈوبے گا ـــ یہی حال چاند کا ہے، یہی صورت زمین کی رفتار اور گردش کی ہے ـــ اسی طرح کائنات کی ایک ایک چیز میں بے مثال نظم وضبط نظر آتا ہے.

پھر یہ نظم بھی بے مقصد نہیں ہے اس کے پیچھے لاجواب منصوبہ بندی ہے ـــ چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لیکر بڑی سے بڑی چیز کو دیکھئے اسے وہی جسم ملا ہے جس کی اسے ضرورت تھی اور اس کی تمام ضروریات کو یہ بدن پوری طرح پورا کرتا ہے

وٹیکر چیمبرز ..... (WHITTAKER CHAMBERS) نے اپنی کتاب شہادت (WITNESS)..... میں خود اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے :-

"وہ اپنی چھوٹی بچی کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر بچی کے کان پر جا پڑی. اور غیر شعوری طور پر وہ اس کی بناوٹ کی طرف متوجہ ہو گیا، اس نے اپنے دل میں سوچا

www.toobaaelibrary.com

—— یہ کتنی غیر ممکن بات ہے کہ ایسی پیچیدہ اور نازک چیز محض اتفاق سے وجود میں آجائے، یقیناً یہ پہلے سے سوچے سمجھے نقشے کے تحت ہی ممکن ہوسکے گی۔"

مگر اس نے جلد ہی اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا، کیونکہ اسے احساس ہوا کہ وہ اس کو ایک منصوبہ مان لے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ اسے منصوبہ بنانے والے (اللہ تعالیٰ) کو بھی ماننا ہوگا۔"

اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ٹامس ڈیوڈ پارکس (THOMAS DAVID PARKS) لکھتا ہے کہ

"اپنے پروفیسروں اور ریسرچ کے سلسلے میں اپنے ساتھیوں میں سے بہت سے سائنس دانوں کے بارے میں جانتا ہوں کہ علم کیمیا اور طبیعیات کے مطالعے اور تجربے کے دوران انھیں بھی متعدد مرتبہ اس طرح کے احساس سے دوچار ہونا پڑا۔"

THE EVIDENCE OF GOD IN AN EXPANDING UNIVERSE
EDITED BY : JOHN CLOVER MONSMA
N.Y. 1959, P. 73-74

یہ نظم اور منصوبہ بندی نشان دہی کرتی ہے کہ اس کائنات کا خالق یقیناً ایک ہے کئی نہیں ہوسکتے۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔ (انبیاء ـ ۲۲)	اگر زمین اور آسمان میں اللہ کے سوا اور معبود یا حکم چلانے والے ہوتے تو دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔

○ خالق ہے، اس کا مستقل وجود ہے —— اور وہ خالق ایک رب ہے کئی نہیں ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ خالق جس طرح اپنی ذات میں یکتا اور بے مثال ہے اسی طرح اپنی صفات میں بھی یکتا اور بے مثال ہے —— جب اس کا وجود ذاتی اور حقیقی ہے تو اس کی صفات بھی یقیناً حقیقی اور ذات کے ساتھ وابستہ ہوں گی —— صفات کو ذات سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

وہی خالق —— پیدا کرنے والا ہے۔
وہی قیوم —— قائم رکھنے والا ہے۔
وہی مُمیت —— فنا کرنے والا ہے۔

کائنات کی تخلیق —— کائنات کی ربوبیت —— کائنات کا نظم —— کائنات کی

www.toobaaelibrary.com

منصوبہ بندی ـــــ یہ چاروں بنیادی پہلو بتاتے ہیں کہ:۔

کائنات کا خالق ہے۔

اور وہ خالق، ایک ہے۔

وہ خالق، بے مثال، اعلیٰ صفات، مکمل اختیارات کا مالک، پوری کائنات کا حاکم اور فرماں روا ہے، اس نے حکمت کے ساتھ اس کائنات کو بنایا اور حکمت کے ساتھ اس کو چلا رہا ہے۔

لہٰذا ـــــ

انسان کا فرض ہے کہ:۔

اللہ کی ذات میں، اس کی مخصوص صفات میں، اس کی عبادت اور بندگی میں اور اس کی حدودِ عظمت میں کسی کو شریک اور ساجھی نہ بنائے۔

اس کے علاوہ مستقل اطاعت بھی صرف اللہ کی کرے کیونکہ مقتدرِ اعلیٰ ـــــ (SOVERGEIGNE) صرف اور صرف وہی ہے۔

○ رہی غیر مستقل اطاعت جیسے رسول کی اطاعت، مجتہدینِ امت کی اطاعت، سلاطین و امراء کی اطاعت، شوہر اور والدین کی اطاعت ـــــ یہ اطاعتیں نیابتہً ہیں یعنی اللہ کی اطاعت کے ماتحت ہیں۔

عبادت اور اطاعت میں لطیف فرق ہے ـــــ

عبادت کی حقیقت ہے غایتِ تذلل اور انتہائی خشوع و خضوع کا اظہار ـــــ یہ اسی کے لئے مناسب ہے جس میں غایت درجہ عظمت موجود ہو کہ اس سے بڑھ کر عظمت وہم و گمان میں نہ آسکے۔ اس درجہ کی عظمت صرف ایک ذات "اللہ" میں منحصر ہے، اس لئے اس میں غیر مستقل طور پر بھی کسی شرکت کی گنجائش نہیں، اس میں ہر قسم کی شرکت شرک ہے، توحید کے خلاف ہے۔

اور اطاعت کے لئے صرف حکم رانی کی لیاقت درکار ہے۔ یہ بطریقِ نیابت مخلوق میں بھی ہوسکتی ہے اس لئے نیابتہً غیر اللہ کی اطاعت شرک نہیں ہے۔

قرآن حکیم نے اس مسئلے کو علمی اور عملی دونوں پہلو سے پورے طور پر صاف کردیا ہے۔ علمی لحاظ سے تو یہ واضح کردیا کہ رسول کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے علیحدہ اطاعت نہیں ہوتی اس کو مستقل اطاعت سمجھنا ہی غلط ہے۔

www.toobaaelibrary.com

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء - ۸۰)	جس نے رسول کا کہنا مانا اس نے اللہ ہی کا حکم مانا۔

مگر عبادت کے متعلق اس قسم کا کہیں ایک حرف بھی نہیں فرمایا جس سے یہ خطرہ بھی گذر سکے کہ غیر اللہ کی عبادت کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کہی جا سکتی ہے۔

اور عملی دائرے میں رسول کی اطاعت اور اولوالامر کی اطاعت کو خود قرآن نے ہی فرض و واجب قرار دیا ہے۔ پس جتنی بات قرآن حکیم سے کسی تاویل کے بغیر صاف اور صریح طور پر سمجھی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے حکم کے ماتحت کچھ اشخاص یا جماعتوں کی اطاعت تو جائز ہے ـــــ اور عبادت میں اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں کسی کو شریک بھی نہ کیا جائے۔

اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ (یوسف - ۴۰)	اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دیدیا ہے کہ عبادت بجز اس کے کسی کی نہ کی جائے۔

اسلام نے عبادت اور پرستش کی تمام شکلوں کو غیر اللہ کے لئے ممنوع قرار دیدیا ہے مثلاً دست بستہ کھڑا ہونا، رکوع کرنا، زمین پر سر رکھ دینا، طواف کرنا، نذر ماننا، دعا کرنا، روزہ رکھنا، قربانی کرنا، جَپ اور ورد کرنا، دھیان اور مراقبہ کرنا، مصیبت کے وقت پکارنا، دان پُن کرنا، چڑھاوا چڑھانا ـــــ یہ سب عبادتوں کی شکلیں ہیں اور عبادت کا حق صرف اللہ کا ہے۔

اسلام نے ان چیزوں سے بھی روک دیا ہے جو پرستش کی نیت سے نہ سہی محض تعظیم کی غرض سے کی جائیں۔ جیسے سجدۂ تعظیمی ـــــ کیونکہ یہ اللہ کی حدود و عظمت میں دوسروں کو شامل کرنا ہے ـــــ حدیث میں ہے کہ:۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعِيْدٍ رض قَالَ اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَاَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ. فَقُلْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ اَنْ يُّسْجَدَ لَهُ، فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: اِنِّيْ اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَاَيْتُهُمْ	حضرت قیس بن سعد رض فرماتے ہیں کہ ـــ میں حیرہ میں گیا تو میں نے دیکھا وہاں کے لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے سوچا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کے زیادہ حقدار ہیں۔ تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں حیرہ گیا تھا۔ میں نے وہاں دیکھا کہ وہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ تو

www.toobaaelibrary.com

يَسْجُدُوْنَ لِلْمَرْزُبَانِ، فَأَنْتَ أَحَقُّ أَنْ يَسْجُدَ لَكَ. فَقَالَ لِيْ: أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِيْ أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ؟ فَقُلْتُ لَا. فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا.

آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا خیال ہے تمہارا اگر تم میری قبر کے پاس سے گذرتے تو کیا اس کے آگے سجدہ کرتے؟ میں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا تو مجھے بھی سجدہ نہ کرو

(ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ جسطرح میری قبر پر سجدہ کرنا جائز نہیں اسی طرح میرے آگے بھی جائز نہیں ہے۔ توحید کی تکمیل کے لئے اور جہاں سے بھی شرک کے داخل ہونے کا اندیشہ ہو اس کے ہر رخنے کو بند کرنے کے لئے ہمیں مختلف ہدایتیں ملتی ہیں۔

- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لفظ "عبد" (بندے) کی نسبت اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف نہ کی جائے۔
- اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم نہ کھائی جائے۔
- قبروں کی پرستش سے منع فرمایا۔
- قبروں پر جمع ہوکر عرس کرنے سے منع فرمایا۔
- قبروں کو اونچا کرنے، ان پر مقبرہ بنانے اور ان کو پختہ کرنے سے منع فرمایا۔
- قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا، ایسا نہ ہو، کوئی شخص یہ سمجھ لے کہ قبر والے کی پوجا کی جارہی ہے۔
- جاندار کی تصویر اور بت بنانے سے منع فرمایا کہ یہ بھی خدا پرستی کے بجائے شخصیت پرستی کا انداز ہے۔
- ستاروں سے قسمت کو وابستہ سمجھنے اور نجومیوں سے مستقبل کا حال پوچھنے سے روکا گیا ہے ــــ کہ تقدیر اور غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔
- بدشگونی سے روکا گیا۔
- کسی دن اور کسی مہینے کو منحوس سمجھنے سے روکا گیا۔
- اللہ کے سوا کسی سے حاجت روائی کی امید اور مدد کے لئے اللہ کے سوا کسی کو پکارنا جائز نہیں ہے ــــ نفع نقصان سب اللہ کے اختیار میں ہے۔

www.toobaaelibrary.com

توحید کی روح یہ ہے کہ انسان غیر اللہ سے بے نیاز ہوکر اللہ کے آگے سراپا احتیاج اور سراپا نیاز بن جائے ــــ تکبر سے روکا گیا کہ کبریائی صرف اللہ کو زیبا ہے۔ باقی سب اس کے بندے، غلام اور سب اس کے محتاج ہیں ــــ کلمۂ شہادت میں ہر مسلمان اس بات کی شہادت دیتا ہے اور نمازوں میں اس کو بار بار دہراتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اس کا معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

○ علمائے دیوبند نے اپنے طریقے اور مسلک میں توحید کی اس روح کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ مگر توحید کی تمام حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے اہل اللہ اور اصحابِ فضل وکمال کے احترام کو توحید کے خلاف نہیں سمجھا۔ احترام اور تعظیم اس حد تک کہ توحید مجروح نہ ہو اور توحید اس درجہ تک کہ اہلِ دل اور اہلِ کمال کا احترام اور ان کی تعظیم ختم ہوکر نہ رہ جائے۔ اور اہلِ توقیر بے توقیر نہ ہو جائیں۔

○ علمائے دیوبند کے مسلک میں اللہ تعالیٰ کی حاکمانہ حیثیت کے ساتھ کہ وہی سلطنتِ کائنات کا حاکم وفرماں روا ہے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ انسانوں کے محبوب بھی ہیں، عبد اور معبود کا تعلق صرف حاکم اور محکوم کا جابرانہ قسم کا رشتہ نہیں ہے بلکہ محبت کا لطیف رابطہ بھی ہے ــــ محبت اور احسان مندی کا جذبہ ہی انسان کے عمل میں سرگرمی، خلوص اور جاذبیت پیدا کرتا ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا پہلا تعارف، اللہ کی صفتِ ربوبیت کے ذریعے ہوتا ہے کہ وہی تمام کائنات کا پروردگار ہے۔ سورۂ فاتحہ میں فرمایا گیا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (تعریف اللہ ہی کے لئے جو تمام کائنات کا رب ہے)

ربوبیت کی اصل روح رحمت ومحبت ہے۔ اگر رحمت ومحبت نہ ہوتی تو تربیت بھی نہ ہوتی اس لئے سورۂ فاتحہ میں رب العالمین کے بعد رحمٰن ورحیم کی صفت کا ذکر ہے۔

○ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس کا ذکر، اس کا فکر، اس کی تسبیح جس سے عبادت واطاعت کا شوق وذوق پیدا ہو علمائے دیوبند کے مسلک ومزاج کا ایک حصہ ہے۔

شریعت کا اصل مقصد صرف "علمی توحید" نہیں ہے، بلکہ ان علوم کا حالات اور حالات سے مقامات کی حد تک پہنچانا ہے۔ علوم جب تک حالات اور وجدانیات کی شکل اختیار نہیں کرتے اس وقت تک طبیعت میں جذبۂ عمل پیدا نہیں ہوتا اور نہ عمل میں کوئی ذوق نصیب ہوتا ہے، انسانی دماغ

www.toobaaelibrary.com

ان کو صرف ایک علمی تحقیق کی نظر سے دیکھا کرتا ہے اور یہ باور نہیں کرسکتا کہ یہ علوم درحقیقت عالمِ غائبات کے وہ عظیم الشان حقائق ہیں جو خارج میں عالمِ مشاہدہ سے زیادہ مستحکم طور پر موجود ہیں۔ اسے حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے مسائل، تقدیر، عالمِ برزخ، جنت اور دوزخ کے تمام غیبی حقائق صرف خیالی نظر آتے ہیں۔ لیکن منازلِ یقین طے کرتے کرتے جب وہ اس منزل تک پہنچتا ہے جس کو حدیث میں "احسان" سے تعبیر کیا گیا ہے تو پھر جن کو وہ اوہام اور خیالات سمجھتا تھا اب وہی حقائق ثابتہ نظر آنے لگتے ہیں —— انسان کے باطن کا یہ انقلاب رونما ہوتا ہے تو اس کی ساری شخصیت بدل کر رہ جاتی ہے —— جس طرح ایک سائنسدان مسلسل تجربات کرتے کرتے جب کسی ایک نقطے پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کو اپنی تحقیق پر وہ یقین میسر آجاتا ہے جو اپنی آنکھوں کے دیکھے سے بھی کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ کی قرب و معیت اسی صفت، صفتِ احسان — کا اثر ہوتی ہے جس کو قرآن کریم نے "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْكُمْ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (ق - ۱۶) اور کہیں "وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ" (حدید - ۴) سے ظاہر کیا ہے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کوئی بتائے شریعت کا منشاء اس مسئلے کو صرف علمی تحقیق کے انداز میں لینا ہے یا عمل اور معرفت کے رُخ سے —— ؟ "خانقاہیت" کے ایک خاص تصور کو جھٹک کر "عملی تربیت" کے عنوان سے اس مسئلے کو کیوں نہ دیکھ لیا جائے —— پھر کیا ہر کام میں عملی تربیت کے لئے کسی استاذ اور مرشد کی ضرورت نہیں ہوتی —— پھر شاگرد اور استاد کے رشتوں میں حقیقی استواری کے لئے کیا صرف "ٹیوشن" پڑھانے کا انداز کافی ہوجاتا ہے —— "صحبتے با اولیاء" انسان کی اثر پذیری کی ہی تو تعریف ہے۔

ہم پھر دہرانا چاہتے ہیں کہ کتاب کے ساتھ رجال کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۳ء میں کچھ عرصہ راقم الحروف کو مدینہ طیبہ میں حضرت مولانا بدر عالم صاحب[1] رح کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی —— ایک روز مولانا فرمانے لگے کہ جب میرا تربیتی تعلق حضرت مولانا اسحٰق صاحب میرٹھی[2] سے قائم ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضرت مرحوم تانگے کی سواری میں آگئے

---

[1] حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ۱۳۱۷ھ — ۱۳۸۵ھ وفات مدینہ طیبہ مدفن جنت البقیع حضرت عائشہ کے قدموں کے نیچے، مصنف فیض الباری، ترجمان السنۃ، جواہر الحکم، نزولِ عیسیٰ، مترجم الحزب الاعظم۔ [2] حضرت مولانا قاری محمد اسحٰق دہلوی ثم المیرٹھی ۱۲۸۷ھ — ۱۳۶۴ھ وفات میرٹھ (یوپی)۔ مدفن قبرستان شاہ ولایت۔

www.toobaaelibrary.com

بیٹھنے اور پیچھے بیٹھنے میں مراتب کے فرق کا لحاظ رکھتے ہیں ـــــ میں نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر دل میں سوچا کہ یہ ان کے شاہانہ مزاج کا رخ ہے ـــــ مگر جب ایک روز حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل دیکھا تو آنکھ کھلی کہ یہ عمل تو عین سنت کے مطابق ہے ـــــ اس وقت تو صرف علمی انداز میں دیکھا تھا اور اب ایک باعمل کے عمل میں اس کو دیکھا۔

علمی درس گاہ کے ساتھ "عملی درسگاہ" کو آپ کوئی بھی نام دے لیں مگر عمل، عمل کے مراتب اور اس میں قدم قدم پر رہبری کی ضرورت سے انکار کیسے کر سکیں گے ـــــ اگر انسان صرف کانوں سے بن جاتا تو کتاب کے ساتھ رسول کی ضرورت نہ ہوتی۔ انسان کے کانوں کے لئے کتاب اور آنکھوں کے لئے رسول کی ضرورت ہے اور کتاب کے ساتھ رسول کا عملی پیکر بھی متوارث ہے۔ رسول کے عملی پیکر کی کیفیت اور طریقہ بھی صرف نقوش والفاظ سے نہیں، عمل سے ملے گا ـــــ الفاظ کے مفہوم کو متعین کیسے کیا جائے گا جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہوگا ـــــ یہی مسلک اور ذوق اور فکر ہے علماء دیوبند کا۔

اگر کہیں اس میں افراط ہے تو اس کے مقابلہ میں تفریط نہیں ـــــ اعتدال سے کام چلے گا ـــــ اور یہی اعتدال علمائے دیوبند کے فکر و نظر میں کارفرما نظر آتا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

۲۔ رسالت

توحید کے بعد اہم عقیدہ رسالت کا ہے ـــــ اسلام میں رسول کا تصور کیا ہے ـــــ ؟

اسلام میں خدا کے تصور کی طرح رسول کا تصور بھی تمام مذاہب سے جداگانہ اور بالاتر تصور ہے۔ ایک انسان اپنی فطری اور وہبی استعداد کا ہر کمال بالفعل حاصل کر لینے کے بعد بھی الوہیت کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ تصور کے قابل بھی نہیں ہوسکتا۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا تصور اتنا بلند ہے کہ وہ حلول و اتحاد، ولادت و قرابت اور اس طرح کی تمام نسبتوں میں سے کسی نسبت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اسی معنیٰ سے اسکو احد و صمد کہا جاتا ہے۔ ؎

دُور بینانِ بارگاہِ الست　　　　بیش ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست

رسول و اوتار و بروز

اس لئے اسلام میں رسول نہ خدا کا اوتار ہوسکتا ہے کہ خدائی اس میں حلول کرسکے اور نہ خود خدا ہوسکتا ہے کہ ہیکلِ انسانی میں جلوہ نما ہو۔ رسول کے متعلق خدائی کا تصور عیسائیت کا راستہ ہے اور خدا کے متعلق یہ عقیدہ کہ وہ رسول کی صورت میں بروز کرتا ہے براہمہ کا عقیدہ ہے۔ اسلام کی تعلیم ان دونوں سے علیحدہ ہے بلکہ یہ دونوں تصور اسلام میں بے مصداق، ناممکن اور محال ہیں۔ عام حیوانات کو دیکھئے قدرت نے ان میں بھی ہر ہر نوع کی جدا جدا خصوصیات اور صورتیں بنائی ہیں۔ اور اس طرح ہر نوع کے درمیان ایک ایسا خطِ فاصل کھینچ دیا ہے کہ ہزار ترقی کرنے کے بعد بھی ایک نوع دوسری نوع کی سرحد میں قدم نہیں رکھ سکتی بلکہ ہر نوع اپنے ان ہی قدرتی حدود کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے اور اسی حدبندی سے اس عالم کا نظام قائم رہتا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ	نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات
تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ	دن سے آگے بڑھ سکتی ہے ہر چیز چکر
سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ	میں پڑی گردش کھا رہی ہے۔
يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین ـ ۴۰)	

جب مخلوقات کے دائرہ کی یہ سرحدیں اتنی مضبوط ہیں تو خالق کے متعلق یہ گمان کرنا کہ کوئی انسان اپنے دائرہ سے ترقی کرکے اس کی سرحد میں قدم رکھ سکتا ہے سفیہانہ خوش عقیدگی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ اور اگر تھوڑی دیر کیلئے فلسفۂ ارتقاء (EVOLUTION)

www.toobaaelibrary.com

تسلیم بھی کرلیا جائے تب بھی مخلوقات کی کسی کڑی کا عالمِ قدس سے کوئی اتصال ثابت نہیں ہوتا اس لئے رسول کا تصور اسلام میں بلا کسی ادنیٰ شائبۂ تنقیص کے یہ ہے کہ وہ ایک انسانِ کامل ہوتا ہے اور اپنی تمام عظمتوں اور مراتبِ قرب کے باوجود الوہیت کے تصور سے یکسر خالی ہوتا ہے۔

انسانیت رسول کا ایک کمال ہے

رسول ایک انسان ہوتا ہے اور عام انسانوں پر اس کی برتری سمجھنے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا فرستادہ اور اس کا پیغمبر ہے۔ اس کی جانب سے منصبِ اصلاح پر کھڑا کیا گیا ہے اور اس لئے اس کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان ہو کیونکہ اصلاح کے لئے صرف علم کافی نہیں احساس کی بھی ضرورت ہے۔ جو غم نہیں کھا سکتا وہ ایک غمزدہ کی پوری تسلی بھی نہیں کرسکتا۔ جو بھوک سے آزاد ہے وہ ایک بھوکے کے ساتھ صحیح دلسوزی کرنا بھی نہیں جانتا اور جو فطرتِ انسانی کی کمزوریوں سے آشنا نہیں وہ ان کمزوریوں پر اغماض بھی نہیں کرسکتا۔ اسی لئے قرآن کریم نے جابجا بعثت کے ساتھ رسول کا انسان ہونا ایک مستقل انعام قرار دیا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ الخ[۱]

یہاں امتنان و احسان کے موقع پر منجملہ اور باتوں کے تین امور کو بالخصوص نمایاں کیا گیا ہے بعثتِ رسول۔ پھر اس انعام کے لئے سرزمینِ عرب کا انتخاب اور سب سے بڑھ کر اس رسول کا انسان ہونا۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے جب بنی اسماعیل میں ایک نبی کے لئے دعا فرمائی تو انھوں نے بھی اس اہم نقطہ کو فراموش نہیں کیا اور اپنی دعا میں فرمایا :۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ[۲] اے ہمارے رب ان میں رسول بھیج جو انھیں میں سے ہو۔

پھر جب اس دعائے مستجاب کے ظہور کا وقت آیا تو دعاء خلیل میں لفظ " منہم " کی استجابت کو مزید تاکید کے ساتھ لفظ مِنْ اَنْفُسِهِمْ سے ذکر کیا گیا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ[۳]۔ یعنی اس رسول کو انسانوں میں تو بھیجا ہی تھا مگر ان میں بھی جس سے انھیں قریب سے قریب تر علاقہ ہوسکتا تھا ان میں بھیجا ہے۔ انسانوں میں عرب، عربوں میں قریشی اور قریش میں ہاشمی بنایا مگر ان چند در چند خصوصیات کے باوجود وہ پھر ایک انسان ہی رہا۔ یہی وہ عقیدہ تھا جو ابتدا میں اولادِ آدم کو بتا دیا گیا تھا۔

يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ	اے اولاد آدم اگر تمھارے پاس تم ہی
رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ	میں کے رسول آئیں جو تمھارے سامنے

---
۱ ۳ آل عمران - ۱۶۴ ۲ بقرہ - ۱۲۹

www.toobaaelibrary.com

اٰیَاتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ	ہماری آیات پڑھ پڑھ کر سنائیں تو جو تقویٰ
فَلَاخَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَاھُمْ	کی راہ اختیار کرے اور نیک رہے تو ان
یَحْزَنُوْنَ ۔ (اعراف۔۳۵)	پر نہ کوئی خوف وہراس اور نہ کوئی غم۔

آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کی ابتدا میں جن باتوں کی اولاد آدم کو بنیادی طور پر تعلیم دی گئی تھی ان میں ایک بعثتِ رسول، دوم رسولوں کے انسان ہونے کا عقیدہ تھا۔ اسی عقیدہ کے مطابق دنیا میں خدا کے بہت سے رسول آئے جن کی صحیح تعداد خدا ہی کو معلوم ہے مگر قرآن سے جس قدر اجمالاً معلوم ہوسکا ہے یہ ہے کہ سب سے پہلے منصبِ نبوت کے لئے دو انسان منتخب ہوئے تھے۔ پھر افراد و اشخاص کی بجائے خاندانوں کا انتخاب کیا گیا اس کے بعد جب خاندانوں نے انحراف اور کفرانِ نعمت شروع کیا تو بنی اسماعیل کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس درمیان میں دنیا کی مقررہ عمر آخر ہونے لگی۔ ادہر رسولوں کی مقررہ تعداد بھی پوری ہوگئی اس لئے آخری رسول کو بھیجکر اس سلسلہ کو ختم کر دیا گیا اور بساطِ عالم لپیٹنے کا اعلان کر دیا گیا۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا	اللہ تعالیٰ نے پسند کیا آدمؑ کو اور نوح
وَّاٰلَ اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ	کو اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران
عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّۃً بَعْضُھَا	کو تمام جہان پر جو ایک دوسرے کی اولاد
مِنْ بَعْضٍ ۔ (آلِ عمران۔۳۳)	ہیں۔

اس تمام سلسلہ میں جو حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے کوئی رسول ایسا نہ تھا جو انسان نہ ہوتا۔ ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ نصاریٰ کی نظروں میں کچھ مشتبہ تھا اسی کو ذُرِّیَّۃً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ کہہ کر صاف کر دیا گیا ہے۔ یعنی جب وہ بھی انسانوں ہی کی اولاد تھے تو یقیناً ان کو بھی انسان ہونا چاہیئے۔

علاوہ اس کے کہ رسول اگر انسان نہ ہوں تو وہ انسانوں کی پوری اصلاح نہیں کر سکتے نسلِ انسانی پر یہ ایک بدنما داغ ہوتا کہ اشرف المخلوقات کا مصلح و مربی کسی اور نوع میں پیدا کیا جائے اس لئے خود رسول اور نوعِ انسانی کا شرف و کمال یہی تھا کہ رسول انسانوں میں سے ایک انسان ہوتا۔

لفظ رسول کی تشریح

رسول کا صحیح مقام سمجھنے کے لئے خود لفظِ رسول سے زیادہ صحیح اور آسان کوئی اور

www.toobaaelibrary.com

لفظ نہیں ہے۔ اس لفظ سے محبت و عظمت کے وہ تمام تقاضے بھی پورے ہو جاتے ہیں جو ایک کامل سے کامل انسان کے لئے فطرتِ انسانی میں موجزن ہوتے ہیں اور عبد و معبود کی وہ ساری حدود بھی محفوظ رہتی ہیں جو کفر و ایمان کے درمیان خط فاصل ہو سکتی ہیں۔ اسی لئے خدا تعالیٰ کے سب رسولوں نے اپنا تعارف اسی لفظ رسول کے ذریعہ پیش کیا ہے اور آخر میں قرآن کریم نے سب سے افضل اور سب سے برتر رسول کا تعارف بھی جس لفظ میں پیش کیا وہ یہی لفظِ رسول ہے۔

(۱) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (فتح۔۲۹) — محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر ہیں

(۲) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (آل عمران۔۱۴۴) — محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر ہونے کے سوا الوہیت کا شائبہ تک نہیں رکھتے۔

معلوم ہوا کہ یہ کلمہ ایسا پُر عظمت کلمہ ہے کہ نبی الانبیاء کے تعارف کے لئے بھی اس سے زیادہ موزوں کوئی اور کلمہ نہیں ہے۔ صوفیاء نے بڑے بڑے مجاہدات کے بعد یہاں کچھ خوشنما کلمات استعمال کئے ہیں۔ وجود کا نقطۂ اول، حقیقۃ الحقائق، برزخیۃ الکبریٰ۔ مگر انصاف یہ ہے کہ ان سب کلمات کے تکرار سے کچھ غلط فہمیاں تو پیدا ہو گئیں لیکن آپ کا صحیح مقام پھر اتنا دریافت نہ ہو سکا جتنا لفظِ رسول سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کا لفظ ہر دور میں مشہور و معروف تھا اس کے لوازم سب کے ذہن نشین تھے۔ اس کے فرائض و خدمات سب کو معلوم تھے، اس کی شخصیت و احترام سے سب آشنا تھے اور یہ تو کسی ناسمجھ سے ناسمجھ انسان پر بھی پوشیدہ نہ تھا کہ بادشاہ اور اسکے رسول کے درمیان نوازش و کرم کے سوا برابری اور مساوات کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ اسلئے جب کوئی رسول دنیا میں آتا تو یہی کہہ دیتا کہ میں احکم الحاکمین ملک الملوک کا ایسا ہی ایک رسول ہوں جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں کے رسول ہوا کرتے ہیں۔ بس اسی ایک لفظ سے سامعین کے دلوں میں وہ ساری عظمتیں دوڑنے لگتیں، محبت و توقیر، اطاعت و حکمبرداری کے وہ تمام جذبات امنڈنے لگتے جو ایسے رسول کے لئے امنڈنے چاہئیں اور بیک وقت وہ تمام حدود بھی نظروں کے سامنے آجاتیں جو ایک بادشاہ اور اس کے رسول کے درمیان فاصل رہنی چاہئیں۔ اسلئے محبت و اطاعت کے ان تمام جذبات کے ساتھ ان کا جوہرِ توحید بھی کفر و شرک کی گرد سے کبھی بے آب نہ ہوتا۔

رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے

درحقیقت یہ مسئلہ ایک پیچیدہ مسئلہ تھا کہ ایک طرف اسلام کی نازک توحید، خدا ہی کی

www.toobaaelibrary.com

اطاعت اور اسی کی محبت کا مطالبہ کرتی ہے اور دوسری طرف وہ اپنے سوا رسول کی محبت واطاعت کا بھی حکم دیتی ہے۔ قرآن کریم نے بتایا کہ نسبتِ رسالت کے بعد رسول کی ہستی درمیان میں صرف ایک واسطہ ہوتی ہے۔ پھر اس کی اطاعت ومحبت خدا ہی کی اطاعت ومحبت ہوجاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ	جو رسول کا کہنا مانے اس نے خدا ہی
اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء - ۸۰)	کا کہنا مانا۔

یعنی اصل حکمبرداری تو خدا کی چاہئے۔ ظاہری سطح میں رسول کی اطاعت گو اس کے خلاف نظر آئے مگر حقیقت میں وہ خدا ہی کی حکم برداری ہوتی ہے بلکہ اس کی اطاعت ومحبت کے بغیر خدا کی محبت واطاعت کا کوئی اور راستہ ہی نہیں اور اس طرح یہ اطاعت ومحبت کتنی ہی پھیلتی چلی جائے مگر اس کا اصل مرکز خدا ہی کی ذات پاک رہتی ہے۔

رسول ووکیل

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہوگیا کہ رسول، خدا نہیں، اس کا اوتار وبروز نہیں اور اس کا بیٹا بھی نہیں۔ اب یہ سنئے کہ وہ اس کا وکیل ومختار بھی نہیں۔ عربی میں دوسرے کی خدمت سرانجام دینے کے لئے دو لفظ ہیں (۱) رسول (۲) وکیل۔ ان دونوں کا تصرف دراصل دوسرے کے لئے ہوتا ہے اپنے لئے نہیں ہوتا مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ وکیل کا تصرف بہ نسبت رسول کے زیادہ وسیع اور زیادہ قوی ہے۔ وکیل اپنے موکل کی طرف سے مختار ہوتا ہے جو چاہے بطورِ خود بھی کرسکتا ہے اسی لئے خصومت وجوابدہی کا بھی اس کو حق حاصل ہوتا ہے۔ رسول صرف اس امانت کے پہنچا دینے کا ذمہ دار ہوتا ہے جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔

مثلاً اگر ایک بادشاہ کسی شخص کو اپنا وکیل ومختار بنادے تو اس کو حق ہے کہ وہ موقعہ محل کے لحاظ سے جو مناسب سمجھے گفتگو کرلے بلکہ چاہے تو اس کے قوانین میں ترمیم وتنسیخ بھی کرڈالے مگر ایک پیغامبر کو اس کے سوا کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ جو پیغام اس کے ذریعہ بھیجا گیا ہے وہ بے کم وکاست اس کو پہنچا دے۔ اس لحاظ سے وکیل کی حیثیت گو بلند ہے مگر بلحاظ ذمہ داری سخت بھی بہت ہے۔ قرآن کریم نے بہت جگہ اس کا اعلان کیا ہے کہ جنھیں ہم بھیجیں گے وہ صرف ہمارے رسول ہوں گے نہ کہ وکیل۔ بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خدا خود ہی سب کا وکیل بن گیا ہے تو اب اس کا وکیل کوئی اور کیسے ہوسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی بڑے سے بڑے

www.toobaaelibrary.com

انسان میں اس کی طاقت نہیں کہ وہ اس ذمہ داری کا بار اٹھا سکے جو خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ پھر اس کی طرف سے وکالت کیسے متصور ہو سکتی ہے۔

(۱) اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ ۔ (زمر-۶۲)
اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی سب کا وکیل و کارساز ہے۔

(۲) وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ۔ (نساء-۱۳۲)
آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب خدا کی ملکیت ہے اور سب کیلئے خدا کی ذات کارساز کافی ہے۔

(۳) اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِیۡ وَکِیۡلًا ۔ (بنی اسرائیل-۲)
میرے سوا کسی اور کو اپنا وکیل و کارساز مت بناؤ۔

(۴) قُلۡ لَّسۡتُ عَلَیۡکُمۡ بِوَکِیۡلٍ ۔ (انعام-۶۶)
آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا گیا، رسول مقرر ہوا ہوں۔

(۵) فَمَنِ اهۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیۡهَا وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِوَکِیۡلٍ ۔ (ہود-۱۰۸)
جو راہ یاب ہوا اپنے فائدے کے لئے اور جس نے گمراہی اختیار کی اپنا ہی نقصان کیا اور میں تو تم پر وکیل و مختار مقرر نہیں ہوا کہ جوابدہی میرے سر ہو۔

(۶) بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ۔ (مائدہ-۶۷)
جو آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا جاتا ہے وہ آپ پہنچا دیجئے۔

(۷) اِنۡ عَلَیۡکَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ۔ (شوریٰ-۴۸)
آپ کا ذمہ صرف پہونچا دینا ہے۔

(۸) اُبَلِّغُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ ۔ (اعراف-۶۲)
میں اپنے پروردگار کے پیغامات تمہارے پاس پہنچائے دیتا ہوں۔

(۹) قُلۡ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِیۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۔ (یونس-۱۵)
آپ کہہ دیجئے کہ یہ میری طاقت نہیں ہے کہ میں قرآن کریم کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں میرے پاس تو جو حکم آئے اس کا تابعدار رہوں۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ رسول کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ احکام الٰہیہ پہنچا دے اور بس۔ شریعت کے ایک شوشے اور ایک نقطہ بدلنے کا حق اس کو نہیں کسی کی ہدایت و گمراہی کا بار اس پر نہیں اور نہ آخرت میں کسی کے اعمال کا وہ جواب دہ ہے۔ جہاں تک کارخانۂ عالم

www.toobaaelibrary.com

کی ذمہ داری و کارسازی کا تعلق ہے اس کے ذرہ ذرہ کی کفالت و وکالت خدا تعالےٰ نے خود اپنے ذمہ لے لی ہے اور اس کا اعلان بھی کر دیا ہے اور رسولوں کی پوزیشن صاف کرنے کے لئے اپنی اور رسولوں کی زبانی یہ بات واضح کر دی ہے کہ ان کی حیثیت صرف رسالت کی حد تک ہے وکالت کی نہیں ہے تاکہ ہر انسان سوچ سمجھ لے کہ ہدایت وضلالت کی جواب دہی اسے خود براہِ راست کرنی ہے جسے رسولوں کی ذات پر ٹالا نہیں جا سکتا۔

وکالت تو بہت دور کی بات ہے اگر کہیں ہر شخص سے خدا تعالیٰ کا باتیں کرنا خالقیت کے خلاف نہ ہوتا تو شاید اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان رسالت کا واسطہ بھی نہ ہوتا۔ مگر جس طرح دنیا میں بادشاہ اپنی رعایا سے بلا واسطہ کلام نہیں کیا کرتے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے بھی اپنی ہر مخلوق سے براہِ راست کلام کرنا پسند نہیں فرمایا بلکہ اس کے لئے کچھ ہستیاں منتخب کر لی ہیں جو اس کی نظر میں اس کے لئے اہل بنائی گئی تھیں۔ پھر ان میں بھی یہ حوصلہ نہیں ہے کہ بے حجابانہ وہ جب چاہیں اس سے باتیں کر لیں اس لئے ان کی برداشت کے بقدر اپنے ہمکلامی کی صورتیں مقرر کر دی ہیں۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ۔ (شوریٰ - ۵۱)	کسی آدمی کی طاقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے باتیں کر سکے مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیجے، پھر وہ خدا کے حکم سے جو اسکو منظور ہو اس کا پیغام پہنچا دے۔
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ (آل عمران ۱۷۹)	یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو براہِ راست غیب کی خبر دیدیا کرے لیکن اس کے لئے اللہ تعالےٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے چھانٹ لیتا ہے۔
عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (جن - ۲۷-۲۶)	وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنی غیب کی باتیں کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر ہاں جس رسول کو چاہے پسند کر لیتا ہے اور انھیں جو بات بتانا چاہے بتا دیتا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دستور نہیں رکھا کہ عام لوگوں کو بلاواسطہ غیب کی یقینی خبریں دیا کرے بلکہ اس کام کے لئے وہ رسولوں کا انتخاب کرتا ہے اور ان کے ذریعہ سے پھر تمام مخلوق سے ہم کلام ہوتا ہے اور یہ دستور اس لئے رکھا ہے کہ عام بشر تو درکنار رسول بھی اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ خدا تعالیٰ سے جس طرح چاہیں بالمشافہ کلام کرسکیں۔ اس لئے ان سے کلام کرنے کی بھی چند صورتیں اختیار کی گئی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ متکلم خود ذات پاک ہو مگر سامنے نہ ہو بلکہ پس پردہ ہو۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر کلام۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ کے ذریعے سے کلام کرے۔ اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نبی خود بشریتہ سے ملکیتہ کے قریب آجائے۔ دوم یہ کہ ملک یعنی فرشتہ بشریت کے قریب آجائے ان دونوں صورتوں میں رسول سے بالواسطہ کلام ہوتا ہے۔ ان سب صورتوں میں چونکہ خدا تعالیٰ کی ذاتِ پاک رسول کے سامنے نہیں ہوتی اس لئے کلامِ الٰہی کی شوکت وطاقت رسول کے لئے قابلِ برداشت ہوجاتی ہے اگر کہیں آمنے سامنے آکر کلام ہو تو بشریتہ کی ضعیف تعمیر برباد ہوجائے۔

رسول اور مصلح وریفارمر

جس طرح کہ رسول وکیل ومختار نہیں ہوتا، اسی طرح وہ محض ایک مصلح اور ریفارمر بھی نہیں ہوتا۔ رسول اور ریفارمر میں بڑا فرق ہے ایک مصلح اور ریفارمر کی پرورش عام انسانوں کی طرح ہوتی ہے ان ہی کی طرح وہ تعلیم حاصل کرتا ہے پھر اپنی فطری صلاحیت ودلسوزی کی بنا پر قومی اصلاح کی خدمت انجام دیتا ہے۔ جب اس کی فہم وفراست، ہمدردی ونیک نیتی کے اثرات قوم میں نمایاں ہوتے ہیں تو قوم کی نظروں میں وہ خود بخود ایک مصلح وریفارمر کا رتبہ حاصل کرلیتا ہے۔ مگر رسولوں کی تربیت صفت اجتبار واصطفار کے ماتحت ہوتی ہے ان کی ہر نشست وبرخاست ہر قول وفعل کی قدرت خود نگراں ہوتی ہے اور اسی حفاظت کی وجہ سے ان کو صفتِ عصمت حاصل ہوجاتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک مناسب عمر پر وہ خود انھیں منصبِ اصلاح پر فائز کرتی ہے۔ ریفارمر عصمت کا مدعی نہیں ہوتا غلطی کا احتمال اس پر ہر وقت جائز ہے۔

رسول کی دو زندگیاں رسالت سے پہلی اور رسالت کے بعد اس قدر ممتاز ہوتی ہیں گویا بلحاظِ ذمہ داری وہ دو انسان ہوتے ہیں۔ رسالت سے پہلے وہ عام انسانوں کی صف میں شامل ہوتا ہے، نہ کوئی دعویٰ کرتا ہے نہ عام انسانوں کے عقائد واعمال سے کوئی ذمہ دارانہ سروکار

www.toobaaelibrary.com

رکھتا ہے۔ اس کی دعوت میں کوئی تدریج کوئی تمہید نہیں ہوتی وہ خود بھی اس سے بے خبر ہوتا ہے کہ کل اسے کیا کہنا ہے وہ بالکل خاموش خاموش نظر آتا ہے اور جونہی کہ منصبِ رسالت پر فائز ہوتا ہے تو اس طرح بولتا ہے کہ کسی کا خوف وخطر اس کے آس پاس نہیں آتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احوال پر نظر رکھیئے یا تو وہ فرعون کے خوف سے اپنا وطن چھوڑ کر بھاگ رہے تھے یا رسالت کی دوسری ہی ساعت میں پھر اسی کی طرف جاتے ہوئے نظر آرہے ہیں اور وہ بھی کس کام کے لئے؟ اس سرکش کو خدا کے عذاب سے ڈرانے کے لئے جس کے عذاب سے ڈر کر کل خود بھاگ رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیئے یا تو وہ عزلت نشینی تھی کہ غارِ حرا میں چالیس چالیس دن تک اس کی خبر بھی نہ رہتی تھی کہ دنیا کدھر جا رہی ہے — یا اب، کوئی بازار نہیں کوئی مجمع نہیں، کوئی محفل نہیں جہاں دنیا کی اصلاح وخبر گیری کے لئے آپ بیچ نہ رہے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ رسول کی زندگی کسب واکتساب، تکلف وتصنع کی تمام قیود سے آزاد ہوتی ہے۔ وہ از خود نہ رسول بنتے ہیں نہ بن سکتے ہیں اور نہ خود قوم کسی کو رسول بنا سکتی ہے بلکہ یہ دستِ قدرت کا براہِ راست انتخاب ہوتا ہے جسے چاہے اس منصب کے لئے انتخاب کر لیتا ہے۔

رسول ریاضت سے نہیں بنتے۔ وہ پہلے سے منتخب شدہ ہوتے ہیں۔ | رسالت ایک قسم کی سفارت ہوتی ہے۔ ہر سفیر کے لئے قابل ہونا توضروری ہے مگر ہر قابل انسان کے لئے سفیر ہو جانا ضروری نہیں۔ یہ بادشاہ کی اپنی مصلحت اور صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ کس کو اس کا اہل سمجھتا ہے۔ خدا کی زمین پر دنیا کے جس قدر رسول آئے آپ سب کی سیرت بالتفصیل مطالعہ کر جائیے۔ ان کی زندگیوں کا ورق ورق لوٹ جائیے مگر قرآن وحدیث سے کہیں ثابت نہیں ہوگا کہ کسی کو منصبِ رسالت کسی رسول کی اتباع واطاعت کے صلہ میں ملا ہو۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے آپ کو یہی ثابت ہوگا کہ بوقتِ ضرورت براہِ راست ان کو اس منصب سے نواز دیا جاتا ہے بلکہ رسول کا خود مفہوم بھی یہ بتاتا ہے کہ یہ گروہ عام انسانوں اور خدا تعالےٰ کے درمیان پیغامبری کے لئے بنایا گیا ہے تاکہ ان کے واسطے سے لوگ شریعت پر عمل اور خدا کی عبادت کرنا سیکھیں۔ اس لئے نہیں کہ شریعت پر عمل کر کے یہ خود خدا کے رسول بن جائیں چنانچہ جب وہ آتے ہیں تو گمراہوں میں راہنما، جاہلوں میں عالم، مفسدوں میں مصلح اور کافروں میں اول مسلم بن کر آتے ہیں۔ رسالت سے پہلے بھی ان کا دامن شرک وکفر کی تمام نجاستوں

www.toobaaelibrary.com

سے پاک ہوتا ہے اور جو حرکات ادیانِ سماویہ میں ناقابل برداشت ہیں وہ نبوت و رسالت سے پہلے بھی ان سے دور ہی دور رہتے ہیں۔ اور اپنی اس بے لوث اور پاک و صاف زندگی کی وجہ سے قوم میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کی ریاضت و عبادت اس لئے نہیں ہوتی کہ انھیں رسول بننا ہے بلکہ اس لئے ہوتی ہے کہ ان کی یہ پاک و صاف زندگی قوم کی نظروں میں نمایاں کی جائے اور اس لئے نمایاں کی جائے کہ جب وہ رسالت کا دعوے کریں تو خود ان کی یہی زندگی ان کی تصدیق کا بڑا سامان ہو جائے۔

اگر بالفرض رسالت کسب و اکتساب کا ثمرہ ہوتی تو رسولوں کی بعثت یا فترت کا مدار عبادت کی سرگرمی یا عبادت میں سرد مہری پر ہوتا، حالانکہ یہاں معاملہ برعکس ہے یعنی جتنی عبادت زیادہ ہوئی اسی قدر رسولوں کی آمد میں تاخیر ہوئی اور جتنی گمراہی و ضلالت نے شدت اختیار کی اسی قدر رسولوں کی آمد کا زمانہ قریب تر ہوتا گیا۔ پھر جب خدا کا کوئی رسول آگیا اس کی زیر قیادت عبادت کر کے ایک بھی رسول نہیں بنا اور جب اس کی تعلیمات کے نقوش مٹنے لگے تو ایسے ایسے رسولوں کی آمد ہوئی جن کا پہلی شریعت سے کوئی تعلق بھی نہ تھا یا تعلق تھا تو نسخ کا تعلق تھا اس لئے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں ہے کہ رسول کسی عبادت و ریاضت سے نہیں بنتے بلکہ خود بنے بنائے آتے ہیں۔ قرآن کریم کے لفظ "یَاتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ" میں بھی اسی کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔ یعنی اے بنی آدم تم میں کوئی فرد عبادت کر کے خود رسول نہیں بنے گا بلکہ رسول تمہارے پاس اس طرح آئے گا جیسا کہ حکومت کی جانب سے کوئی حاکم مقرر ہو کر آیا کرتا ہے۔ ڈگریاں بڑی سے بڑی حاصل کی جا سکتی ہیں مگر حکومت کا کوئی عہدہ بلا انتخابِ حکومت حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں لیاقت و استعداد کے بعد اس کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ نظرِ حکومت اگر اسے انتخاب کرنا چاہے تو کر لے۔ اسی طرح رسالت و نبوت کی کیفیت ہے یہ ایک منصب اور عہدہ ہے نہ کہ انسان کے ممکن الحصول ارتقائی کمالات میں کوئی کمال۔ ہاں اس منصب کے متعلق کچھ کمالات ہیں جو اس منصب پر موقوف ہیں اسی لئے حدیث میں ارشاد ہے لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّاب لہ۔ یعنی میری امت میں اگر بلحاظِ کمال دیکھا جائے تو عمرؓ میں رسالت کی صلاحیت موجود ہے مگر چونکہ منصبِ نبوت پر تقرر کے لئے اب کوئی جگہ باقی نہیں رہی اس لئے نبی نہیں ہیں۔ اسی طرح فرمایا

لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِیْمُ لَکَانَ ابراہیم (فرزند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اگر

لہ ترمذی۔ مشکوٰۃ باب مناقب عمرؓ۔ طبرانی عن عصمہ بن مالک۔

www.toobaaelibrary.com

صِدِّيْقًا نَّبِيًّا [1] جیسے تو صدیق نبی ہوتے۔

یعنی ان کا جوہرِ استعداد بھی نہایت بیش قیمت تھا انسانوں میں نبی بلکہ صدیق نبی بننے کے لائق تھے مگر یہاں ایک اور مانع بھی پیش آگیا تھا وہ یہ کہ ان کی عمر وفا نہ کر سکی۔ امت میں ان دو شخصیتوں کے متعلق تو خود زبانِ نبوت سے تصریح آگئی کہ بلحاظ لیاقت و کمال یہ دونوں منصب نبوت کے قابل تھے جن میں سے حضرت ابراہیمؑ کی تو عمر ہی نے وفا نہ کی۔ حضرت عمرؓ کی عمر ہوئی تو تقررِ نبوت کا زمانہ نہ رہا۔ ان کے علاوہ خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ اس امت میں اور کتنے انسان ایسے گذر گئے ہوں گے جو بلحاظ نفسی کمالات انبیاء سے کتنے مشابہ ہوں گے مگر عالم تقدیر میں چونکہ دنیا ہی کا ختم کر دینا ٹھیر چکا تھا اس لئے کوئی اس منصب پر نوازا نہیں گیا اور دنیا کی تاریخ جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے شور مچا مچا کر رسولوں کی آمد آمد پکار رہی تھی اب یہ کہہ کر خاموش ہوگئی کہ دنیا کا آخری راہنما آچکا ہے اب اس کے بعد کوئی رسول نہیں ہوگا۔ بہرحال تمام رسولوں کی تاریخ سے ہمیں یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی ریاضت و عبادت کے صلہ میں رسول نہیں بنتے۔ بلکہ عین لاعلمی کی حالت میں اچانک خدا کی طرف سے منصب رسالت پر مامور ہو جاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصبِ نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ ابھی حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت کا کچھ ذکر فکر بھی نہیں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میرے بھائی میرے شریک کار ہو جائیں تو شاید خدمات نبوت کی ادائیگی میں میرے لئے سہولت رہے۔ لیکن چونکہ منصبِ نبوت ..... براہ راست خدا تعالیٰ کے اصطفاء پر موقوف ہے اس لئے ان کو اسی ایک بارگاہ میں یہ درخواست پیش کرنی پڑی۔

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ‎ ‎ میرے بھائی کو میرے گھرانے سے میرا
هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖ ‎ ‎ وزیر بنا دے اور ان کے ذریعہ میری کمر
اَزْرِيْ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ (طٰہٰ ۲۹ تا ۳۲) مضبوط کر اور میرا انھیں شریک کار بنا دے

اگر نبوت اکتسابی ہوتی تو یہاں سفارش کے موقعہ پر ان کے ایسے اوصاف کا ذکر کرنا مناسب ہوتا جو نبوت کا سبب بن سکتے ہیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جن اسباب کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں :۔

وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ ‎ ‎ میرا بھائی مجھ سے زیادہ فصیح البیان ہے

[1] فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۴۷۶

www.toobaaelibrary.com

مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ اسے میری مدد کے لئے میرے ساتھ
رِدْءًا یُّصَدِّقُنِیْ اِنِّیْٓ اَخَافُ کر دے وہ میری تصدیق کرے گا مجھے
اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ (قصص-۲۴) اندیشہ ہے کہ کہیں وہ میری تکذیب کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست کو منظور کر لیا گیا اور ان کو بھی نبی بنا دیا گیا۔ سوچئے کہ فصاحت و بیان کو نبوت میں کیا دخل ہے۔ اس کے برخلاف جب کوہ طور جاتے ہوئے انھیں ایک خلیفہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو یہاں کوئی درخواست بارگاہ رب العزت میں پیش نہیں فرمائی اور براہ راست خود فرمایا وَاخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ - (اعراف-۱۴۲)

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ خلافت و نبوت میں کتنا فرق ہے۔ خلیفہ نبی خود بھی بنا سکتا ہے مگر نبی کسی کو نہیں بنا سکتا ہاں اس کے لئے دعا کر سکتا ہے۔ چونکہ حضرت علی رضؓ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نسبت حاصل تھی اس لئے گمان ہو سکتا تھا کہ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں نبوت کی دعا کی اور قبول ہو گئی اسی طرح اگر آپ بھی ان کے لئے دعا فرمائیں تو قبول ہو جائے مگر اس سے قبل کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں یہ خیال گذرے اور آپ کے دست مبارک دعا کے لئے اٹھیں آپ سے کہہ دیا گیا کہ تم اپنے داماد علی رضؓ کے لئے جو دعا چاہو مانگ لو مگر ایک نبوت کی دعا مت کرنا کیونکہ عالم تقدیر میں یہ طے ہو چکا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور جو بات یہاں طے ہو جاتی ہے وہ پلٹا نہیں کرتی۔

یہی صورت شب معراج میں پیش آئی۔ جب تقدیر کو یہ منظور ہوا کہ اب آئندہ سلسلہ تخفیف ختم کیا جائے اور پانچ نمازیں امت کے لئے ایک واجب العمل دستور ہو جائے تو پہلے ہی آپ سے کہہ دیا گیا مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ[1] تاکہ بعد میں مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ کا آئین آپ کے استجابتہ دعا میں حائل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار کے باوجود آپ پھر سفارش کے لئے تشریف نہیں لے گئے۔

خلاصہ یہ کہ نبوت پہلی امتوں میں کسب کا نتیجہ تھی نہ اب ہے۔ ہاں پہلے منصب نبوت باقی تھا اس لئے دعا و سفارش کا موقعہ بھی تھا اب چونکہ منصب نبوت ہی نہیں رہا اس لئے نبوت کی دعا بھی نہیں کی جا سکتی ہاں اس کے بجائے خلافت باقی ہے اور وہ تا قیامت جاری رہے گی۔

پھر رسول جس طرح کہ خود بنتے نہیں اسی طرح خود بنتے بھی نہیں، وہ خدا تعالیٰ کے

---
[1] ق-۲۹

www.toobaaelibrary.com

ترجمان ہوتے ہیں جو اُن کو حکم ہوتا ہے وہی بولتے ہیں اور اسی لئے ان کا ہر حکم واجب التعمیل مفترض الطاعۃ ہوتا ہے۔ ہر امر میں ان کو حَکَم و فیصل بنانا، ان کے ہر فیصلہ پر راضی ہوجانا، اور اس طرح راضی ہوجانا کہ اس میں تنگ دلی بھی محسوس نہ ہو مومن کا اولین فرض ہوتا ہے ریفارمر میں یہ خصوصیات نہیں ہوتیں وہ اپنی قومی خدمات کے صلے میں ریفارمر تسلیم کیا جاتا ہے اس کا حکم صرف اخلاقی حد تک واجب العمل ہوتا ہے اس کے ساتھ نزاع کا حق ہر وقت حاصل ہوتا ہے اس کو خدائی ترجمانی کا کوئی دعویٰ نہیں ہوتا۔ اس کا تعلق ہماری زندگی کے صرف ایک شعبہ کے ساتھ ہوتا ہے یعنی معاشِ جسمانی۔ مبداء و معاد سے اسے کوئی بحث نہیں ہوتی رسول کا تعلق ہمارے ہر گوشۂ حیات سے ہوتا ہے۔ ریفارمر کا کوئی حکم مذہب نہیں کہلاتا رسول کا ہر حکم مذہب کی بنیاد بن جاتا ہے۔ کسی قوم کا ریفارمر و مصلح بننے کے لئے اس کا ہم زبان ہونا شرط نہیں ہے، رسول کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس قوم کا رسول ہے اسی کا ہم زبان بھی ہو "وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِہٖ[1]۔" رسول کا ہر علم قطعی ہوتا ہے۔ شک و تردد کا اس میں کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ ریفارمر کی ہر ہدایت زیرِ احتمال رہ سکتی ہے۔ اسی لئے رسول فلاح و کامیابی کا ضامن ہوتا ہے، ریفارمر کامیابی کی ضمانت نہیں لے سکتا۔

رسول کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ وحدتِ ملی کا ایک مستحکم مرکز ہوتا ہے اس لئے اس کی ذات ایمان و کفر کا محور ہوتی ہے یعنی اس سے وابستگی ایمان اور اس سے علیحدگی کفر کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ ہزاروں اختلافات رسول کی ذات سے وابستگی کے بعد وحدت و اخوت کی شکل اختیار کرلیتے ہیں اور بہت سی جمعیتیں رسول کے دامن سے علیحدہ ہو کر صفتِ وحدت سے خالی ہوجاتی ہیں۔ اسی لئے فرمایا وَاذۡکُرُوۡا اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا[2]۔ اور دوسری صورت کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا۔ تَحۡسَبُہُمۡ جَمِیۡعًا وَّقُلُوۡبُہُمۡ شَتّٰی[3]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل عرب کے اختلافات کا تصور کیجئے اور نقطۂ رسالت پر جمع ہونے کے بعد ان کی شانِ وحدت کو ملاحظہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ ہزاروں افراد یا تو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے یا فردِ واحد کی طرح ایسے

---

[1] ابراہیم۔۴ [2] آل عمران۔ ۱۰۳ [3] الحشر۔۱۴

www.toobaaelibrary.com

ایک جان ہو چکے تھے کہ مشرقی مسلمان کی تکلیف سے مغربی مسلمان کو وہی تکلیف محسوس ہوتی تھی جو ایک انسان میں ایک عضو کی تکلیف سے تمام اعضاء کو محسوس ہوتی ہے وہ ابھی ابھی یا تو اینٹوں کے ڈھیر کی طرح میدان میں بکھرے ہوئے پڑے تھے یا ایک ہی ساعت کے بعد ایک مستحکم تعمیر کی شکل میں منظم و مرتب تھے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے مرتبط اور باعث استحکام تھی۔

عَنْ اَبِی مُوْسٰی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المؤمن للمؤمن کالبنیانِ یَشُدُّ بعضہ بعضاً ثم شبک بین اصابعہ (متفق علیہ)
(مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص۴۲۲)

ابو موسیٰ آنحضرت صلی اللہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایک عمارت کی طرح ہے۔ ایک دوسرے کو قوت پہنچاتا اور مضبوط رکھتا ہے اس کے بعد آپؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر اسکا نقشہ دکھایا۔

عن النعمان ابن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المومنون کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ وان اشتکی راسہ اشتکی کلہ (مسلم) حوالہ مذکورہ بالا

نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام مسلمان شخص واحد کیطرح ہیں اگر اس کی آنکھ درد کرتی ہے تو تمام جسم بیمار پڑجاتا ہے۔ اگر سر درد کرتا ہے تو تمام جسم بیمار پڑجاتا ہے۔

دنیا کی تمام وحدتیں اس حقیقی وحدت کے سامنے ہیچ ہیں۔ وحدتِ قومی، وحدتِ ملکی، وحدتِ وطنی، وحدتِ قبلہ، وحدتِ حسب ونسب کے سوا اور جتنی وحدتیں پیدا ہوسکتی ہیں وہ سب اس کے سامنے لاشے ہیں۔ جب کبھی اس وحدتِ حقیقیہ کی دوسری وحدتوں سے ٹکر ہوئی تو دوسری تمام وحدتیں پاش پاش ہوکر مٹ گئیں اور یہی صرف ملت کی ایک مرکزی وحدت باقی رہ گئی۔ ریفارمر کی ذات بھی قوم کی شیرازہ بندی کا بڑا سبب ہے مگر جو وحدت ایک کامیاب سے کامیاب ریفارمر کے نام پر پیدا ہوتی ہے وہ اس وحدتِ حقیقیہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ یہ وحدت نظامِ ملی اور حیوۃِ بشری کے لئے بمنزلہ روح کے ہے اسی لئے جب

www.toobaaelibrary.com

یہ وحدت فنا ہونے لگتی ہے تو اس کو از سرِ نو زندہ کرنے کے لئے خدا کے رسول آتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ رسالت کا دروازہ مسدود ہو چکا ہے اس لئے یہ کام خلافتِ راشدہ کے سپرد کر دیا گیا ہے شریعت میں خلافت اور امارت اور امامت درجہ بدرجہ اسی وحدت کے تحفظ کے لئے ہیں۔ اسی لئے جب خلافت سے یہ مقصد حاصل ہونا مفقود ہو جائے تو شریعت نے اس کا نام ملکِ عضوض رکھا ہے یہ اسی وحدت کی فنا کی طرف اشارہ تھا جو دراصل رسولوں کی ذات سے وابستہ ہوتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنی اسرائیل تسوسہم الانبیاء کلما هلك نبی خلفه نبی وانه لا نبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون الحدیث۔ (متفق علیہ)	ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کے سیاست کی نگہبانی انبیاء علیہم السلام فرمایا کرتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہو جاتا اس کے قائم مقام دوسرا آ جاتا چونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اس لئے اب عنانِ انتظام خلفاء کے ہاتھ میں رہے گی اور وہ بہت ہونگے۔

خلاصہ یہ کہ رسول میں اوتار و بروز وابنیت کا کوئی تصور نہیں ہوتا اور محض ایک ریفارمر و مصلح کی حیثیت بھی نہیں ہوتی۔ نصاریٰ نے رسالت کو ابنیت کے عنوان سے سمجھنے کی کوشش کی وہ بھی غلط راہ پر نکل گئے۔ براہمہ اور جوگیوں نے اس کو اوتار کا علاقہ بنا دیا وہ بھی عینیت یا حلول کے روگ میں پھنس گئے۔ نصاریٰ نے رسول کو خدا سے اتنا قریب سمجھا کہ پھر انھیں دوئی قائم رکھنا دشوار ہو گیا اور جدید روشنی میں اس کو خدا سے اتنا دور سمجھا گیا کہ اس کو صرف ایک ریفارمر اور مصلح کی حیثیت دی گئی۔ یہ دونوں راستے افراط و تفریط کے راستے ہیں۔ اگر اس کی حیثیت رسول کے لفظ ہی سے قائم کی جاتی تو یہ مغالطے پیش نہ آتے اور واضح ہو جاتا کہ وہ اللہ تعالےٰ سے اتنا بعید نہیں ہوتا جیسا کہ عام انسان اور اتنا قریب بھی نہیں ہوتا جتنا کہ اوتار و ابن۔ وہ بعید ہو کر اللہ تعالیٰ سے انتہائی قریب ہوتا ہے اور انتہا درجہ قرب کے باوجود پھر احد و صمد سے حلول و اتحاد کا کوئی علاقہ نہیں رکھتا۔ اس کا نام قربِ ولایت نہیں یہ قربِ رسالت ہے یہ انسان کے لئے مدارجِ قرب کی وہ آخری منزل ہے جس کے بعد کوئی منزل

www.toobaaelibrary.com

نہیں اگر ان دونوں میں فرق سمجھ لیا جاتا تو ایک محب کی زبان سے جو کبھی اضطراب میں عاشقانہ کلمات نکل جاتے ہیں نہ نکلتے اور وہ اپنی تمام لن ترانیوں کی بجائے یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے

زلافِ حمد و نعت اولیٰ است بر خاکِ ادب خفتن
سجودے می تواں کردن، درودے می تواں گفتن

اسی لئے آسمانی مذاہب نے رسول کی اس درمیانی ہستی کے لئے جو جامع سے جامع لفظ اختیار کیا تھا وہ خود لفظ رسول تھا اور اسی لئے اذانوں میں خطبوں میں نمازوں میں جس لفظ کا بار بار اعلان کیا جاتا ہے وہ یہی لفظ رسول ہے[۱]۔

رسولوں کی بعثت کا مشترک مقصد

تمام نبیوں اور رسولوں کی بعثت کا ایک مشترک مقصد رہا ہے، قرآن مجید میں اسکو متعدد جگہ واضح کیا گیا ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۔
(الکہف ـ ۵۶)

ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر مبشر اور نذیر بنا کر۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۔
(بنی اسرائیل ـ ۱۰۵)

اور اے نبی ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر بشیر اور نذیر بنا کر۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۔
(احزاب ـ ۴۵ ـ ۴۶)

اے نبی ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد (گواہ) بنا کر مبشر بنا کر اور نذیر بنا کر (یعنی سیدھی راہ اختیار کرنے والوں کے لئے بشارت دینے والا اور فکری و عملی کجروی اختیار کرنے والوں کے لئے خبردار کرنیوالا بنا کر) اور اللہ کی طرف بلانے والے اس کے حکم سے اور ہدایت کا ایک روشن چراغ بنا کر۔

---

[۱] حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ ۔ ترجمان السنۃ جلد اول ۔

www.toobaaelibrary.com

یہ وہ حیثیتیں اور ذمہ داریاں ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام نبیوں اور رسولوں میں مشترک ہیں۔

حضرت محمدؐ کی امتیازی حیثیت ___ تکمیلِ رسالتؐ

اضافی طور پر آپ کی بعثت کی ایک خصوصی اور امتیازی شان ختم نبوت اور ختم رسالت اور تکمیلِ رسالت کے حوالے سے ہے ___ یعنی یہی نہیں کہ آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی ظلّی یا بروزی نہیں آئے گا، ہر نوع کی رسالت و نبوت آپؐ پر ختم ہوگئی بلکہ آپؐ پر نبوت کی تکمیل بھی ہوگئی۔ قرآن مجید سورۂ توبہ میں اس پہلو کی طرف اشارہ ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ	وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ	اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ	پورے کے پورے دین پر غالب کردے
الْمُشْرِكُوْنَ۔ (توبہ ۳۳)	خواہ یہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

یہی بات سورۂ الصف میں فرمائی گئی ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ	وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ	اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے
لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ	پورے کے پورے دین پر غالب کردے
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔	خواہ یہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار ہو۔
(الصف ـ ۹)	

سورۂ فتح میں بھی فرمایا گیا۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ	وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ	ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ	تاکہ اسے پورے دین پر غالب کردے
شَهِيْدًا (الفتح ___ ۲۸)	اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے

دین ___ یعنی طریقِ زندگی وہ آئین اور نظامِ فکر و عمل جس پر انسانی زندگی کی بنیاد رکھی جائے وہ نظام ہر نظام پر غالب آجائے کسی دوسرے نظام کا جزبن کر مراعات حاصل نہ کرے۔

www.toobaaelibrary.com

مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں جو قرآن مجید میں تین جگہ سورۂ الصف، التوبہ، الفتح میں آئی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تشریف آوری کا مقصد یہ قرار پایا کہ

"اللہ کا دین دنیا میں ایک عملی اور زندہ نظام کی حیثیت سے قائم اور برپا ہو جائے۔"

اسی کے لئے محنت ہو اسی کے لئے جد و جہد ہو، اسی کے لئے کوشش ہو. جینا اسی کے لئے ہو اور مرنا اسی کے لئے۔ جان و مال سب کچھ اس راستہ میں کھپا دیا جائے.

مقصد کی طرف پیش قدمی کا طریقہ

اس مقصد ـــــ غلبہ دین ـــ کے حصول کا ایک منہج اور ایک طریقہ متعین ہے وہ طریقہ عمل کیا ہے ـــــ قرآن مجید کی سورۂ جمعہ میں اس کو بیان کیا گیا ہے ۔

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (جمعہ ـ ۲)

وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود ان ہی میں سے اٹھایا جو انھیں اس کی آیات سناتا ہے ان کی زندگی سنوارتا ہے اور انکو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔

یہی بات سورۂ بقرہ میں آئی ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (بقرہ ـ ۱۲۹)

اے پروردگار ان میں اپنا ایک رسول بھیجو جو انھیں تیری آیات پڑھ کر سنائے انھیں کتاب، وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے ۔

ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی دعاؤں کا جواب سورۂ بقرہ میں۔

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيَاتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ

ہم نے بھیجدیا ہے تمھارے اندر اپنا ایک رسول جو تمھیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے تمھارا تزکیہ کرتا ہے اور تمھیں کتاب وحکمت

www.toobaaelibrary.com

وَالْحِکْمَۃَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ۔ ۱۵۱)

کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

یہی بات سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہوئی۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْہِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

(آلِ عمران۔ ۱۶۹)

اللہ کا احسان ہے اہلِ ایمان پر کہ اس نے ان میں اپنا ایک رسول مبعوث کیا انھیں میں کا جو انھیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے

یہ نظام صرف تلوار کے زور پر اپنی بات نہیں منوائے گا بلکہ تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں قائم ہوگا ــــــ پہلے فکری انقلاب برپا ہوگا اور اس کے نتیجہ میں سیاسی انقلاب آئیگا۔[1]

---

[1] معمارِ انسانیت۔ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

www.toobaaelibrary.com

۳۔ ختم نبوّت

پیغمبر روز روز پیدا نہیں ہوتے، نہ یہ ضروری ہے کہ ہر قوم کے لئے ہر وقت ایک پیغمبر ہو۔ پیغمبر کی زندگی دراصل اس کی تعلیم وہدایت کی زندگی ہے، جب تک اس کی تعلیم اور ہدایت زندہ ہے اس وقت تک گویا وہ خود زندہ ہے۔ پچھلے پیغمبر مر گئے کیونکہ جو تعلیم انھوں نے دی تھی دنیا نے اس کو بدل ڈالا۔ جو کتابیں وہ لائے تھے، ان میں سے ایک بھی آج اصلی صورت میں موجود نہیں۔ خود ان کے پیرو بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ ہمارے پاس پیغمبروں کی دی ہوئی اصلی کتابیں موجود ہیں۔ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی سیرتوں کو بھی بھلادیا۔ پچھلے پیغمبروں میں سے ایک کے بھی صحیح اور معتبر حالات آج کہیں نہیں ملتے۔ یہ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس زمانے میں پیدا ہوئے؟ کہاں پیدا ہوئے؟ کیا کام انھوں نے کئے؟ کس طرح زندگی بسر کی؟ کن باتوں کی تعلیم دی اور کن باتوں سے روکا؟ —— یہی انکی موت ہے۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، کیونکہ ان کی ہدایت وتعلیم زندہ ہے۔ جو قرآن انھوں نے دیا تھا وہ اپنے اصلی الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ اس میں ایک حرف ایک نقطہ، ایک زیر وزبر کا بھی فرق نہیں آیا۔ ان کی زندگی کے حالات، ان کے اقوال، ان کے افعال سب کے سب محفوظ ہیں اور چودہ سو برس سے زیادہ مدت گزر جانے کے بعد بھی تاریخ میں ان کا نقشہ ایسا صاف نظر آتا ہے کہ گویا ہم خود آنحضرتؐ کو دیکھ رہے ہیں۔ دنیا کے کسی شخص کی زندگی بھی اتنی محفوظ نہیں جتنی آنحضرتؐ کی زندگی محفوظ ہے۔ ہم اپنی زندگی کے ہر معاملے میں ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے سبق لے سکتے ہیں۔ یہی اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد کسی دوسرے پیغمبر کی ضرورت نہیں۔

ایک پیغمبر کے بعد دوسرا پیغمبر آنے کی صرف تین وجہیں ہو سکتی ہیں۔

www.toobaaelibrary.com

۱- یا تو پہلے پیغمبر کی تعلیم و ہدایت مٹ گئی ہو اور اس کو پھر پیش کرنے کی ضرورت ہو۔

۲- یا پہلے پیغمبر کی تعلیم ایک خاص قوم تک محدود ہو اور دوسری قوم یا قوموں کے لئے پیغمبر کی ضرورت ہو۔

۳- یا پہلے پیغمبر کی تعلیم مکمل نہ ہو اور اس میں ترمیم یا اضافہ کی ضرورت ہو۔

یہ تینوں وجہیں اب باقی نہیں رہیں۔

۱- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت زندہ ہے اور وہ ذرائع پوری طرح محفوظ ہیں۔ جن سے ہر وقت یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ حضورؐ کا لایا ہوا دین کیا تھا۔ کیا ہدایت لیکر آئے تھے۔ کس طریق زندگی کو آپ نے رائج کیا اور کن طریقوں کو آپ نے مٹایا اور بند کرنے کی کوشش فرمائی۔ پس جبکہ آپ کی تعلیم و ہدایت مٹی ہی نہیں تو اس کو از سر نو پیش کرنے کے لئے کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دنیا کو اسلام کی مکمل تعلیم دی جا چکی ہے۔ اب نہ اس میں کچھ گھٹانے بڑھانے کی ضرورت ہے اور نہ کوئی ایسا نقص باقی رہ گیا ہے جس کی تکمیل کے لئے کسی نبی کے آنے کی حاجت ہو۔ لہٰذا دوسری وجہ دور ہو گئی۔

۳- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور تمام انسانوں کے لئے آپ کی تعلیم کافی ہے لہٰذا اب کسی خاص قوم کے لئے الگ نبی آنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح تیسری وجہ بھی دور ہو گئی۔

اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہا گیا ہے یعنی سلسلۂ نبوت کو ختم کر دینے والا اب دنیا کو کسی دوسرے نبی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر خود چلیں اور دوسروں کو چلائیں۔ آپؐ کی تعلیمات کو سمجھیں، ان پر عمل کریں اور دنیا میں اس طریقے اور قانون کو جاری کریں۔ جس کو لیکر آنحضرتؐ تشریف لائے۔[1]

ختمِ نبوت کا عقیدہ ایمان کا جزء ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت پر ایمان اس وقت تک حاصل ہی نہیں ہو سکتا جب تک آپ کو خاتم النبیین نہ مانا جائے ـــــــ ختم نبوت کلمۂ شہادت کی طرح ایمان کا

---

[1] رسالہ دینیات ۶۷-۴۳

www.toobaaelibrary.com

ایک جزو ہے۔

چنانچہ حاکم نے اپنی "مستدرک" میں حضرت زید بن حارثہ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے، ان کے قبیلے کا ان کی تلاش میں آنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ پیش کش کرنا کہ آپ زید کو ہمارے ساتھ بھیج دیں ہم اس کے عوض آپ کو بہت سا مال دے سکتے ہیں نقل کیا ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا :-

اَسْأَلُكُمْ اَنْ تَشْهَدُوْا اَنْ	میں تم سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنِّیْ خَاتِمُ	کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ کوئی الٰہ
اَنْبِيَائِهٖ وَرُسُلِهٖ	نہیں مگر اللہ اور اس کی کہ میں
(مستدرک جلد ۳ صفحہ ۲۱۴)	اس کے سب نبیوں اور رسولوں میں
	آخری نبی اور رسول ہوں ۔

حدیثوں سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی بھی جس کو شریعت نہ دی گئی ہو (غیر تشریعی نبی) نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ بخاری اور مسلم میں غزوۂ تبوک کا واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ حدیث نقل کی گئی ہے :-

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ	سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	حضرت علی رضؓ سے فرمایا تمھیں مجھ
لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ	سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو حضرت
هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی	موسیٰ سے تھی، اتنا فرق ہے کہ میرے
اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ	بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا ۔

کچھ الفاظ کے فرق کے ساتھ ـــــ اسی مضمون کی روایت احمد، ابن ماجہ اور ترمذی میں بھی ہے اور ابن جریر، طبرانی اور ابونعیم نے بھی اس مضمون کی روایت نقل کی ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے درمیان جو نسبت اور علاقہ تھا وہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ نے اپنی عدم موجودگی کے زمانے میں اپنی قوم کی نگرانی کے لئے اپنے بھائی ہارون کو منتخب کیا تھا ـــــ اسی طرح آنحضرت م حضرت علی کے ساتھ اپنی اس نسبت کو ظاہر فرمارہے ہیں کہ " اے علی اگر میں تمھیں اس غزوہ (غزوہ تبوک) کے موقعہ پر اپنے ساتھ نہیں لے جارہا ہوں

www.toobaaelibrary.com

توکیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم میری عدم موجودگی میں حضرت ہارون کی طرح قوم کی نگرانی کروگے۔ کیونکہ حضرت ہارون کو نبوت کے ساتھ خلافت ملی تھی، اسلئے وہم ہوسکتا تھا کہ یہاں بھی حضرت علی رضؓ کی خلافت و نیابت نبوت کے ساتھ ہے اس لئے فوراً اس وہم کو دور کر دیا گیا کہ تم نبی نہیں ہو۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی غیر تشریعی نبی بھی نہیں ہوسکتا۔

نبوت کا ارتقاء جہاں ختم ہوا ہے وہ مرکزی اور کامل ہستی صرف حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، آپ کے بعد کوئی نبی ہے نہ رسول، نہ تشریعی نہ غیر تشریعی، نہ ظلی نہ بروزی۔

انجیل میں ہے: ــــ "بعد کے نبیوں سے خبردار رہو جو تمھارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں، ان کے پھلوں سے تم انھیں پہچان لوگے"۔

(متی باب ۷۔ آیت ۱۵-۱۶) ؎

خلاصہ یہ ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں کے بارے میں علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ یہ مقدس ہستیاں پیغامِ الٰہی کی امین تھیں، انھوں نے اللہ کا پیغام پوری دیانت داری کے ساتھ خدا کی مخلوق تک پہنچایا، وہ مخلوقِ خدا کے مربی اور محسن تھے، وہ انسان تھے، انسان سے الگ ان کی کوئی نوع اور قسم نہیں تھی، ان سب کا پورا ادب و احترام کیا جائے گا مگر انکے احترام و عظمت میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا کہ ان کی عظمت کی حدیں حدودِ ربوبیت سے نہ مل جائیں۔

انبیاء کے مقدس طبقے کی آخری اور سب سے برگزیدہ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے ــــ وہ سید الکونین، افضل الکائنات، افضل البشر اور افضل الانبیاء تھے۔ آپ کا سب سے بڑا کمال "کمالِ عبدیت" ہے۔ علمائے دیوبند ان حدودِ عبدیت کو حدودِ معبودیت تک نہیں پہنچاتے ــــ آپ کے کمالات اور آپ کا علم عظیم تھا۔ مگر خالق کے کمالات اور علم سے ان کی وہی نسبت تھی جو مخلوق کو خالق سے ہوسکتی ہے۔

آپ خاتم الانبیاء تھے۔ نبوت کا دروازہ آپ کے بعد بند ہو چکا ہے۔ ختمِ نبوت کا عقیدہ کلمۂ شہادت کی طرح ایمان کا ایک جزء ہے۔

؎ معارِ انسانیت صفحہ ۴۰۹ تا ۴۱۲

www.toobaaelibrary.com

۴۔ صحابہ کرام رضؓ

خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے مقدس طبقہ وہ ہے جس نے براہ راست آپ سے فیض حاصل کیا اور آپ نے ان کی تربیت فرمائی، جن کا اصطلاحی نام "صحابہ" ہے ـــــ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

قرآن مجید اس پورے طبقے ـــــ طبقۂ صحابہ، کے مقبولِ بارگاہ اور جنتی ہونے کی شہادت دیتا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

(توبہ ـــ ۱۰۰)

وہ مہاجر و انصار جنھوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ انکے پیچھے آئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔

صحابۂ کرام رضؓ کے اوصافِ حمیدہ اور بلند کرداری پر خود اللہ تعالٰے نے شہادت اور گواہی دی ہے ـــــ ارشاد ہوا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ

محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں، تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں، یہ ہے ان کی صفت

www.toobaaelibrary.com

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا۔

(الفتح ـ ۲۹)

توراۃ میں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کئے ہیں۔ اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ:۔

(۱) صحابہ کرام کا یہ وصف ــــ مشترک وصف ــــ تھا کہ یہ طبقہ ایمان کی پختگی، اصول کی مضبوطی، سیرت کی طاقت اور ایمان کی فراست کی وجہ سے کفار کے مقابلہ میں چٹان کی طرح سخت تھا ان کو دبانا، رام کرنا، اور اپنے مطلب پر لانا سخت مشکل تھا، انھیں کسی قوت سے دبایا نہیں جاسکتا تھا، کسی ترغیب سے خریدا نہیں جاسکتا تھا۔

اصول کی مضبوطی میں وہ چٹان تھے مگر دل کے نرم، رحیم و شفیق، ہمدرد و غم گسار تھے اصول اور مقاصد کے اتحاد نے ان میں ہم رنگی اور سازگاری پیدا کر دی تھی

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم ❊ رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

(۲) خدا ترسی، کریم النفسی، شرافت اور حسنِ اخلاق کے وہ آثار جو خدا کے آگے جھکنے سے پیدا ہوتے ہیں ان میں نمایاں تھے۔ محمدؐ کے یہ ساتھی ایسے تھے کہ ان کو دیکھتے ہی ایک آدمی بیک نظر یہ کہہ اٹھتا کہ یہ خیر الخلائق ہیں کیونکہ خدا پرستی کا نور اُن کے چہروں پر چمک رہا ہے۔ تورات میں ان کی یہی صفت بیان کی گئی ہے۔

کتاب استثناء، باب ۳۳، آیت ۲ ـ ۳ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمدِ مبارک کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے صحابہ کے لئے " قدسیوں " کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۳) بائیبل کے عہد نامۂ جدید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک وعظ اس طرح نقل کیا گیا ہے:۔

"اور اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے۔ اور

www.toobaaelibrary.com

وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے وہ رائی کے دانے کی مانند ہے کہ جب بو دیا گیا تو اُگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہوجاتا ہے اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سائے میں بسیرا کرتے ہیں۔ (مرقس باب ۴، آیات ۲۶ تا ۳۲)

(اس وعظ کا آخری حصہ انجیل متی باب ۱۳، آیات ۳۱-۳۲ میں بھی ہے)

۴۔ محمدؐ کے یہ ساتھی جو ایمان اور عملِ صالح سے مزین ہیں۔ اللہ نے ان کیلئے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ اس مغفرت اور اجرِ عظیم میں بلا استثناء تمام صحابہ شریک ہیں۔ آیت مذکورہ میں مِنْهُم بیان کے لئے ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان محترم ساتھیوں کو ستاروں کی مانند قرار دیا ہے جن کی روشنی میں مسافر سفر طے کرتا ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضؓ قَالَ - قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِأَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ.

رواہ رزین۔

عمر ابن الخطاب رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- میرے صحابہ کی مثال ستاروں کی طرح ہے ان میں سے جس کی پیروی کرلوگے ہدایت پالوگے۔

(مشکوٰۃ باب مناقب الصحابہ الفصل الثالث صفحہ ۵۵۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی شان میں گستاخی کرنے، ان پر نکتہ چینی کرنے سے روکا ہے۔

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ رضؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ۔ متفق علیہ۔

حضرت ابو سعید خدری رضؓ راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کو برا مت کہو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص احد کے برابر بھی سونا اللہ کے راستے میں دے تو صحابہ کے ایک مُد اور نصف مد کے برابر بھی اجر و ثواب نہ ہوگا۔

(مشکوٰۃ باب مناقب الصحابہ صفحہ ۵۵۳)

عَنْ اَنَسٍ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

www.toobaaelibrary.com

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ أَصْحَابِي فِي أُمَّتِي كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ لَا يَصْلُحُ الطَّعَامُ إِلَّا بِالْمِلْحِ قَالَ الْحَسَنُ فَقَدْ ذَهَبَ مِلْحُنَا فَكَيْفَ يَصْلُحُ۔ رواه فی شرح السنة (مشکوٰۃ باب مناقب الصحابۃ صفحہ ۵۵۴)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری تمام امت میں میرے صحابہ کی مثال ایسی ہے جیسے نمک کھانے میں کہ جیسے کھانا نمک کے بغیر اچھا اور لذیذ نہیں ہوسکتا (اسی طرح) میری امت کی اصلاح صحابہ کی اتباع کے بغیر نہیں ہوسکتی حضرت حسن رضؓ صحابہ کا دور گذر نے پر بڑی حسرت کے انداز میں یہ فرماتے ہیں کہ جب ہمارا نمک ہی ختم ہوگیا تو اب ہمارے دین میں لذت کہاں اور کیسے۔

صحابہ کرام رضؓ وہ پاک اور قیمتی نفوس ہیں جنکو خدائی انتخاب کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت کے لئے چُنا گیا ـــــ اللہ کی کتاب اور اللہ کا دین ان ہی کے ذریعے دنیا میں پھیلا اور ان ہی کے دم سے یہ دین ہم کو نصیب ہوا۔ وہی قرآن کے سب سے پہلے حامل تھے اور وہی سب سے پہلے اس پر عمل کرنے والے تھے ـــــ انھوں نے اللہ کے دین کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کیں

عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضؓ قَالَ مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اخْتَارَهُمُ اللهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِإِقَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى أَثَرِهِمْ وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ جس کسی کو کوئی صحیح طریقہ اختیار کرنا ہو تو وہ ان صحابہ کا طریقہ اختیار کرے جو خطرناک فتنوں سے محفوظ ہوکر دنیا سے گذر گئے اور ہم میں سے جو زندہ ہے اس کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ وہ فتنوں کے چکر میں پڑکر کدھر نکلیں گے خوب یاد رکھو کہ وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوئے وہ اس تمام امت میں سب سے افضل ہیں ان کے قلوب نیکی اور تقویٰ میں سب سے بڑھ کر، ان کا علم سب سے زیادہ گہرا، نہایت بے تکلف اور یہ فضیلت ان کے لئے کم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے سب سے افضل رسول کی رفاقت کے لئے پسند کیا

www.toobaaelibrary.com

الهُدٰى الْمُسْتَقِيْم رواہ رزین
(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص۳۲)

اور ان کے ذریعہ سے اپنا پسندیدہ دین دنیا میں صحیح طور پر پھیلایا، لہٰذا یہ تمہارا فرض ہے کہ تم بھی انکی فضیلت کو پہچانو اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہو اور جہاں تک ممکن ہو ان کی ایک ایک عادت اور اخلاق کو اختیار کرو کیونکہ وہ بلاشبہ ہدایت کی سیدھی راہ پر قائم تھے۔

قرآن اور حدیث کی روشنی میں صحابہ کرام رضؓ کے متعلق علمائے دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ:۔

(۱) تمام صحابہ شرفِ صحابیت اور اپنی عظمت و جلالت میں یکساں احترام اور محبت کے مستحق ہیں۔

(۲) نہ کسی صحابی کی عظمت اتنی بڑھائی جائے کہ اس کو نبوت سے اونچا مقام دیا جائے اور نہ کسی صحابی کو معصوم سمجھا جائے۔

(۳) نہ کسی صحابی کی مذمت کی جائے۔

(۴) تمام صحابہ بشر تھے۔ بشریت کی صفات سے متصف، لوازمِ بشریت اور ضروریاتِ بشریت کے پابند۔

(۵) کوئی بڑے سے بڑا ولی و بزرگ صحابی کے مقام کے برابر نہیں ہوسکتا۔

(۶) صحابہ میں باہم فرقِ مراتب ہے تو عظمتِ مراتب میں بھی فرق ہے مگر نفسِ صحابیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۷) وہ نجومِ ہدایت تھے مگر شارع نہیں تھے۔

(۸) صحابہ کے مشاجرات اور ان کے باہمی نزاعات اور اختلافات میں خطا اور صواب کا تقابل ہے حق و باطل کا نہیں ہے —— اور مجتہد اگر خطا بھی کرے تب بھی اجر کا مستحق ہوتا ہے زجر کا نہیں —— صحابہ کے باہمی معاملات میں نہ بد گمانی جائز ہے نہ بد زبانی۔ بقول حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحؒ

تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللهُ عَنْهَا اَيْدِيَنَا فَلَا نُلَوِّثُ بِهَا اَلْسِنَتَنَا۔

www.toobaaelibrary.com

۵ ــــ صحابہؓ کے بعد کے لوگ

تمام صحابۂ کرامؓ کا پورا کا پورا طبقہ اور صحابہ کی پوری جماعت ـــــ بلا استثناء عدول، متقن اور ہدایت کے چراغ تھے ـــــ مگر بعد کے لوگ ایک پورے طبقے اور جماعت کی حیثیت سے اس درجے کے نہیں ہیں ان میں عدول اور غیر عدول ہر قسم کے افراد ہوتے رہے اسلئے موافقت کے ساتھ مخالفت ـــــ اور اتفاق کے ساتھ اختلاف کا پہلو بھی قائم رہا ـــــ مگر علمائے دیوبند نے اس موافقت اور مخالفت اور اتفاق و اختلاف میں بھی اعتدال قائم رکھا ـــــ نہ موافقت میں غلو کیا نہ مخالفت میں ـــــ شخصیتوں کی عظمت کے اقرار کے ساتھ ان کے صواب کو صواب کہا اور خطا کو خطا کہا ـــــ اور خطا کا وہ علمی عذر بھی پیشِ نظر رکھا جو ایک اچھی اور مقدس شخصیت کی خطا میں پنہاں ہوتا ہے۔ کسی ایک خطا کی وجہ سے اسکے سارے کارناموں پر پانی نہیں پھیر دیا ـــــ خطا کو اچھالنے یا شخصیت کو مطعون کرنے کے بجائے اس خطا کی حد تک معاملہ اللہ کے سپرد کر کے ذہنی یکسوئی حاصل کر لی اور حدود کی رعایت ہر حال میں باقی رکھی۔

۶ ــ احسان (تصوف، طریقت)

طریقت شریعت سے ہٹ کر کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ یہ شریعت کی تکمیل اور اس کا ارتقائی درجہ ہے۔ شریعت کے احکام پر عمل کرنے میں جب خلوص کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اس کو احسان سے تعبیر کرتے ہیں ـــــ قرآن مجید میں متعدد جگہ یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ (بقرہ۔ ۱۱۲)	بلکہ واقعی بات تو یہ ہے کہ جس نے اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور وہ نیکوکار بھی ہے تو اس کا اجر اس کے پروردگار کے پاس ہے۔
وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ۔ (لقمان۔ ۲۲)	اور جو اللہ کے آگے اپنا سر تسلیم خم کرے اور وہ نیکوکار بھی ہو (تو اس نے مضبوط رسی تھام لی)

www.toobaaelibrary.com

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا وَّاِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔
(مائدہ — ۹۳)

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کئے تو جو کچھ ممانعت سے پہلے کھا پی چکے اس میں ان پر کسی طرح کا گناہ نہیں جبکہ انھوں نے حرام چیزوں سے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر حرام چیزوں سے پرہیز کیا اور اچھا پرہیز کیا جیسا کرنے کا حق ہے اور اللہ خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

طریقت یا تصوف و احسان کے سلسلے میں علماءِ دیوبند کا ذوق و مسلک حدودِ شریعت میں یہی ہے —— بیعت و ارشاد کے سلسلے میں خاص طریقوں کی پابندی وہ ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ اگر لوگ ضروری سمجھنے لگیں تو اس کا چھوڑنا ضروری سمجھتے ہیں۔
(ملاحظہ فرمائیں التکشف عن مہمات التصوف۔ مولانا اشرف علی تھانوی رح)

فقہ

اسلامی زندگی کی بنیاد اللہ کا کلام قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل حدیث ہے —— قرآن و حدیث کے احکام پر غور و فکر کرکے ہمارے بزرگوں نے عام لوگوں کی آسانی کے لئے ان کو مفصل صورت میں مرتب فرمایا جس کو "فقہ" کہا جاتا ہے، کیونکہ ہر شخص قرآن مجید کی تمام باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ ہر شخص کے پاس حدیث کا اتنا علم ہے کہ وہ خود حدیثوں کو دیکھ کر شریعت کے احکام معلوم کر سکے۔ ہمارے ان بزرگوں نے جنھیں اللہ نے علم و فہم اور تقویٰ سے نوازا تھا، برسوں محنت کرکے تحقیق اور غور و فکر کرکے قرآن و حدیث سے مستنبط احکام کو تفصیل سے مدوّن و مرتّب کیا اور یہ ان کی محنتوں کا ثمرہ ہے کہ آج کروڑوں مسلمان اللہ اور رسول کے احکام بغیر کسی دقت کے معلوم کرکے اس کی پیروی کرتے ہیں۔

ابتداء میں بہت سے بزرگوں نے اپنے اپنے انداز میں فقہ کو مرتب کیا تھا، مگر رفتہ رفتہ چار فقہیں دنیا میں باقی رہ گئیں۔

(۱) امام ابو حنیفہ رح[1] کی فقہ، جسکی ترتیب میں امام ابو یوسف رح[2]، امام محمد رح[3] اور امام زفر رح

---

[1] ابو حنیفہ النعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء [2] قاضی القضاۃ یعقوب بن ابراہیم القاری (متوفی ۱۸۲ھ) [3] امام محمد بن حسین (۱۳۵ھ — ۱۸۹ھ)

www.toobaaelibrary.com

اور ایسے چند اور بڑے علماء کا مشورہ شامل تھا۔

(۲) فقہ امام مالکؒ (امام مالک بن انس بن مالک الاصبحی (۱۲، ۶ - ۷۹۵ء)

(۳) فقہ امام شافعی رہ (امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی (متوفی ۲۰۴ھ)

(۴) فقہ امام احمد بن حنبل رہ (امام ابو عبداللہ احمد بن محمد الشیبانی المروزی (متوفی ۲۴۱ھ)

یہ چاروں فقہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو سو برس کے اندر اندر مرتب ہو گئی تھیں، ان میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ بالکل قدرتی اختلافات ہیں چند آدمی جب کسی معاملے کی تحقیق کرتے ہیں یا کسی بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی تحقیق اور سمجھ میں تھوڑا بہت اختلاف ضرور ہوتا ہے —— لیکن چونکہ یہ سب بزرگ حق پسند تھے اسلئے تمام مسلمان ان چاروں فقہوں کو برحق مانتے ہیں۔

ظاہر ہے ایک معاملے میں ایک ہی طریقے کی پیروی کی جا سکتی ہے، اسلئے علماء کا کہنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان چاروں میں سے کسی ایک کی پیروی کرنی چاہیئے۔

اس سلسلے میں لفظِ تقلید کے لغوی معنیٰ الجھن کا باعث ہو سکتے ہیں، کیونکہ لغت میں "تقلید" کا مطلب ہے غلامی کا قلادہ پہن لینا —— یہ اس کے لغوی معنیٰ ہیں —— عرفی اور اصطلاحی مطلب "تقلید" کا پیروی اور اتباع کا ہے، اس کو آپ رہنمائی، رہبری اور واقف کار سے مسئلہ معلوم کرنا کہہ سکتے ہیں۔

یہ بالکل واضح بات ہے کہ اسلام میں مستقل اطاعت صرف اللہ کی ہے، شارع احکامِ شریعت بھیجنے والے صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (انعام-۵۷) حکم صرف اللہ کا ہے۔

رسول احکامِ الٰہی کے ترجمان ہیں اسلئے ان کی اطاعت بھی دراصل اللہ کی اطاعت ہے، اللہ کے بعد جس کی بھی اطاعت ہے وہ نیابتہً ہے مستقل بالذات اطاعت نہیں ہے —— عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی نیابتاً بھی نہیں ہے۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول
وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (نساء-۵۹) کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحب امر ہوں۔

معاملات کے ذمہ دار لوگوں کی اطاعت بھی نیابتاً ہے، اللہ کی اطاعت کے ماتحت ہے یعنی جو بات وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق کہیں اس کو مانا جائے۔

www.toobaaelibrary.com

لَاطَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ۔ — اللہ کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ جب مخلوق کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے ماتحت ہے، تو وہ شرک نہیں ہے جبکہ مطاعِ حقیقی بالذات صرف اللہ ہے ــــ البتہ عبادت میں کوئی نیابت بھی نہیں ہے کہ نیابتاً کسی کی عبادت کو اللہ کی عبادت ہی سمجھا جائے کہ یہ یقیناً شرک ہے۔

فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (نحل۔۴۳) — اگر نہیں جانتے تو اہلِ علم سے دریافت کرلو۔

اس دریافت کرنے کو آپ تقلید کہہ لیں یا اتباع اور پیروی کہہ لیں، رہبری اور رہنمائی سے تعبیر کرلیں۔

○ قرآن وسنت میں دو طرح کے احکام ہیں ــــ ایک احکام تو وہ ہیں جن کے سمجھنے کے لئے کسی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے ــ مثلاً قرآنِ مجید میں فرمایا:

وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا (حجرات۔۱۲) — اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے

قرآن کے اس حکم کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

یا مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ۔ — کسی عربی کو کسی عجمی پر برتری نہیں ہے۔

یہ ارشادِ رسولؐ بالکل واضح ہے۔

○ دوسرے احکام وہ ہیں جن کو سمجھنا ہر ایک کے لئے دشوار ہے۔

مثلاً قرآن مجید میں فرمایا ــــ

وَالْمُطَلَّقَاتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ ثَلٰثَۃَ قُرُوْءٍ (بقرہ۔ ۲۲۸) — جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی وہ تین قروء گزرنے تک انتظار کریں گی۔

اس آیت میں مطلقہ عورت کی عدت تین قروء بتائی گئی ہے ــــ قروء کے معنی عربی زبان میں حیض اور طہر دونوں آتے ہیں ــــ اب اس کی مراد کیا ہے؟ آیا عدت تین حیض ہوگی، یا تین طُہر؟

اب اگر کسی جاننے والے سے نہیں پوچھتے جس کو تقلید کہتے ہیں تو بتایئے اس آیت پر عمل کیسے کریں ــــ؟

اسی طرح مثلاً ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

www.toobaaelibrary.com

مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ (ابن ماجہ)
جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے بھی قراءت بن جائے گی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب امام نماز میں قراءت کررہا ہو تو مقتدی کو خاموش رہنا چاہیئے دوسری طرف آپؐ ہی کا فرمان ہے۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ (متفق علیہ)
حضرت عبادہ بن صامت رضؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی۔

(مشکوٰۃ باب القرأت فی الصلوٰۃ الفصل الاول ص۷۸)

بظاہر ان دونوں حدیثوں میں ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے ـــــ حدیث کی مراد کیا لی جائے آیا یہ سمجھا جائے کہ پہلی حدیث کو اصل قرار دیکر .... دوسری حدیث میں امام اور اکیلے نماز پڑھنے والے سے کہا گیا ہے کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہ ہوگی یا دوسری حدیث کو اصل قرار دیکر یہ سمجھا جائے کہ پہلی حدیث میں قرأت کا مطلب سورۂ فاتحہ کو چھوڑکر کوئی اور سورۃ مراد ہے۔ ؟

قرآن و حدیث کے اس طرح کے احکام میں ایک شکل تو یہ ہے کہ ہم اپنی فہم اور بصیرت پر اعتماد کرکے خود کوئی فیصلہ کرلیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہم ان لوگوں سے دریافت کریں جو ہم سے زیادہ علم وفہم رکھتے ہیں، قرآن و حدیث کے ماہر ہیں۔ اور جو انھوں نے سمجھا ہے اس پر عمل کریں ـــــ ظاہر ہے دوسری صورت ہی بہتر کہی جائے گی۔ اب اس کو آپ تقلید کہہ لیں، یا فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ پر عمل کہہ لیں۔

اس دریافت کرنے یا تقلید کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اس عالم یا امام کو شارع شریعت پیش کرنے والا .... (LEGISLATURE).. سمجھتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہی ہوگا کہ ہم اسکو شارح شرح کرنے والا اور وضاحت کرنے والا سمجھتے ہیں۔ اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ ہر علم وفن میں اس کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جاتا ہے ـــــ خود قرآن مجید میں اور حدیثوں میں اس کی ہدایت ملتی ہے

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۔
اور اگر یہ لوگ اس معاملہ کو رسول اور اولی الامر کے حوالے کرتے تو جو لوگ استنباط کے اہل ہیں وہ اسے جانتے (اور انھیں بتلادیتے) :-

(نساء - ۸۳)

www.toobaaelibrary.com

کسی کلی اور اصولی حکم سے جزئیات نکالنا استنباط ہے اور قرآن ایسے لوگوں کی طرف رجوع کرنے کے لئے کہہ رہا ہے جو اجتہاد اور استنباط کے اہل ہیں۔

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔

(توبہ — ۱۲۲)

ان کے ہر فرقے میں سے ایک چھوٹی جماعت اس مقصد کے لئے کیوں نہ نکلے کہ وہ دین میں تفقہ حاصل کرے اور واپس آکر اپنی قوم کو بیدار کرے تاکہ وہ لوگ (اللہ کی نافرمانی سے) بچیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ علم دین حاصل کرنے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی قوم میں واپس پہنچکر انہیں دین و شریعت کے احکام سے آگاہ کریں اور قوم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کے بتلائے ہوئے پر اعتماد کرکے اس پر عمل کریں ـــــ اس اعتماد کو آپ تقلید کہہ لیں یا رہبری مگر مفر اس سے نہیں ہے۔

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ۔

(لقمان — ۱۵)

اور اس شخص کے راستے کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع کئے ہوئے ہے۔

یہ نہیں کہا کہ "میرے راستے کی پیروی کرو" کیونکہ اللہ کی اطاعت کے راستہ کا ٹھیک ٹھیک سمجھنا ہر شخص کے بس کا نہیں ہے۔ وہ شخص جو اللہ کی طرف بدل وجان راغب ہے اور اللہ کی پسند ناپسند کو سمجھنے کیلئے اس نے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے اس کی اتباع سے اللہ کی اطاعت ہو جائیگی اب اس اتباع کو آپ تقلید کے لفظ سے تعبیر کریں یا کسی دوسرے لفظ سے بہرحال سبیلِ رب کی رہنمائی کے لئے کسی کی طرف تو رجوع کرنا ہی ہوگا۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَا أَدْرِيْ مَا بَقَائِيْ فِيْكُمْ فَاقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ۔ مسند احمد ترمذی، ابن ماجہ

(مشکوٰۃ باب مناقب ابی بکر و عمر الفصل الثانی ص ۵۶۰)

حضرت حذیفہ رضؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے معلوم نہیں کب تک تم لوگوں کے درمیان رہوں گا۔ لہٰذا میرے بعد ان دو شخصوں کی اقتدار کرنا، ایک ابوبکر دوسرے عمر۔

عربی زبان سے واقفیت رکھنے والے سمجھتے ہیں کہ اقتدار کا لفظ انتظامی امور میں اطاعت کے لئے نہیں آتا ـــــ اس کا مفہوم وہی اتباع اور تقلید کا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

○ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ شریعت کے تمام احکام براہِ راست قرآن و سنت سے معلوم کرنا، کلیات سے جزئیات نکالنا، ہر شخص کے لئے ممکن نہیں ہے، اس کے لئے بہرحال کافی مہارت کی ضرورت ہے، اس کے لئے پیروی تو کسی نہ کسی کی کرنی ہی پڑے گی، مسئلہ معلوم کرنا پڑے گا، کسی نہ کسی پر اعتماد کرنا ہی ہوگا۔

اب ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی ایک ہی عالم اور ماہر کی تمام مسائل میں پیروی کیجائے اور اس کے بتائے ہوئے مسائل پر اعتماد کیا جائے ——— اس کو "تقلیدِ شخصی" کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ایک متعین شخص کی پیروی نہ کی جائے، کسی مسئلے میں کسی کی بات مان لی جائے دوسرے مسئلے میں دوسرے کی تحقیق پر اطمینان کر لیا جائے ——— اس کو "تقلیدِ مطلق" کہتے ہیں۔

صحابہ کرام رضؓ کے زمانے میں ان دونوں ہی صورتوں مثالیں ملتی ہیں۔

○ تقلیدِ شخصی کے لئے بہت سے واقعات ہیں۔ ایک واقعہ بطور مثال یہ ہے :-

عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِيْ إِنْ عُرِضَ لَكَ قَضَاءٌ؟ قَالَ أَقْضِيْ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ۔ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ قَالَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ أَجْتَهِدُ بِرَأْيِيْ وَلَا آلُوْ۔ قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرِيْ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لِمَا يَرْضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

سنن ابی داؤد کتاب الاقضیہ باب اجتہاد الرائے فی القضاء (ترمذی)

حضرت معاذ بن جبل رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو ان سے سوال کیا کہ جب کوئی معاملہ تمہارے پاس آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے ——— ؟ حضرت معاذ رضؓ نے جواب دیا کہ کتاب اللہ کی تفصیل کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر کتاب اللہ میں حکم موجود نہ ہو تو پھر کیا کرو گے ——— ؟ جواب دیا کہ پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر سنت رسول اللہ میں بھی فیصلہ موجود نہ ہو تو پھر کیا کرو گے ——— ؟ حضرت معاذ رضؓ نے جواب دیا کہ پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ یہ سن کر آپؐ خوش ہوئے اور اظہارِ مسرت میں میرے سینے پر ہاتھ

www.toobaaelibrary.com

مارا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جو اللہ کے رسول کو پسند ہے۔

اس واقعے پر غور کیجئے کہ آپ نے اہلِ یمن کے لئے اپنے فقیہ صحابیوں میں سے ایک صحابی کو منتخب فرمایا۔ انھیں حاکم، قاضی، معلم اور مجتہد بناکر ان کی پیروی کا حکم فرمایا۔ انھیں قیاس اور اجتہاد کے مطابق فتویٰ دینے کی اجازت دی۔ کیا اس کو آپ "تقلیدِ شخصی" کہنے میں تامل کریںگے۔؟

جو لوگ قرآن وحدیث پر عبور نہیں رکھتے اور ان میں قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط کی مطلوبہ صلاحیت نہیں ہے ان کے لئے شریعت پر عمل پیرا ہونے کے لئے سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ کسی ایک ماہرِ شریعت پر اعتماد کرکے اس کے بتائے ہوئے مسئلوں پر عمل کریں۔

○ علمائے دیوبند کا مسلک اور طریقہ یہی ہے کہ دین کے بارے میں آزادیٔ نفس سے بچنے، دینی بے قیدی اور خودرائی سے دور رہنے کے لئے اجتہادی مسائل میں فقہِ معین کی پابندی کی جائے۔ مگر اس تقلید میں ان کے یہاں وہ جمود اور بے شعوری نہیں ہے کہ فقہی مسائل کی تحقیق اور کتاب وسنت کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ اسلئے ان کے یہاں کورانہ تقلید نہیں ہے بلکہ تقلید کے ساتھ تحقیق اور اجتہاد کی شرطوں کے ساتھ اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔

علماءِ دیوبند ایک فقہ کو ترجیح دیتے ہیں مگر دوسرے کو باطل نہیں سمجھتے ـــــ اس لئے وہ کسی متعین فقہ کی تبلیغ کو صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ تبلیغ باطل کے مقابلہ پر حق کی ہوتی ہے ـــــ نہ کہ حق کے مقابلے میں حق کی۔

۸- حدیث

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ:-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ	یہ ذکر (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے
وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر-۹)	اور ہم خود اس کی حفاظت کریں گے۔

قرآن مجید کی حفاظت کے وعدہ کا دائرہ صرف قرآن کے الفاظ کی حفاظت تک ـــــ محدود نہیں ہے ـــــ معانی کی حفاظت کو بھی الفاظ کی حفاظت میں بہت بڑا دخل ہے، الفاظ اور معنیٰ دونوں کا باہم ایسا علاقہ ہے کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے۔

www.toobaaelibrary.com

جیسے ایمان میں تصدیق اور اقرار دونوں ایمان کے رکن ہیں ـــــ تصدیق کی رکنیت۔ جو ایک معنوی اور قلبی کیفیت ہے ـــــ اقرار کی بہ نسبت زیادہ اہم ہے ـــــ اسی لئے جبر و اکراہ کی حالت میں اقرار کی رکنیت تو ساقط ہوسکتی ہے مگر تصدیق کی رکنیت کسی حالت میں ساقط نہیں ہو سکتی، اکراہ ہو یا رضا قلبی تصدیق دونوں حالتوں میں قائم رہنی ضروری ہے۔

یہی معاملہ قرآن مجید کے الفاظ اور ان کے معنیٰ کا ہے، الفاظ بھی قرآن کا رکن ہیں اور معنیٰ بھی ـــــ کیونکہ کلام کا ڈھانچہ الفاظ سے ہی تیار ہوتا ہے، الفاظ نہ ہوں تو کلام وجود میں نہیں آسکتا۔ الفاظ ہی کے لحاظ سے معانی کے حدود پھیلتے اور سمٹتے ہیں۔

○ اس لئے مقدر یوں ہوا کہ الفاظ کی حفاظت تو بطریق تواتر ہو اور معانیِ قرآن یعنی اس کی تفصیلات کی حفاظت صرف اس حد تک محدود رہے جو اس کی مراد کو تحریفِ معنوی کی زد سے بچائے رکھے اور اس طرح ایک طرف الفاظ کا تواتر معانی کو بکھرنے نہ دے، دوسری طرف معانی کی حفاظت الفاظ کی بندش میں معین رہے اور متکلم کی مراد کے خلاف ایسے احتمالات کا دائرہ پھیلنے نہ دے جو مقصود کے خلاف ہیں ـــــ یہ ہے وہ حفاظت جس کا وعدہ قرآن میں کیا گیا ہے۔

اگر قرآن کے صرف الفاظ ہی محفوظ ہوں تو ہر شخص اپنی اغراضِ نفسانی کے ماتحت جو معنی چاہے پہنا دے۔ اور اگر صرف معانی محفوظ ہوں تو ان کے انتشار کے سمیٹنے کا کوئی قطعی ذریعہ ہمارے پاس نہ رہے، اب الفاظ اور معانی دونوں محفوظ ہیں۔ الفاظ کی گرفت سے معانی باہر نہیں جا سکتے اور معانی کے لحاظ سے الفاظ میں ردوبدل نہیں ہوسکتی۔ حفاظت کے انداز میں فرق ضرور ہے کہ الفاظ تو بعینہٖ محفوظ ہیں اور معانی قدرے مشترک طور پر محفوظ ہیں۔

○ قرآن کریم کو اپنی تلاوت کے ابتدائی مرحلے سے لے کر اپنی مراد کی تعیین اور عمل کی تشکیل کے ایک ایک گوشے تک رسول کی احتیاج رہی۔ رسول کی ضرورت صرف اس حد تک ہی نہیں تھی کہ وہ خدا کی کتاب ہم تک پہنچا دیں بلکہ اسکو سمجھانے، اس پر عمل کرکے دکھانے، اور عمل کی اسپرٹ پیدا کرنے غرض ہر ہر معاملے میں رسول کی حاجت رہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں یہ سب فرائض یکساں طور پر نظر آتے ہیں اور بعثت کے دن سے لیکر یوم وفات تک ایک ایک دن کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ آپ کا نصب العین اور آپ کا اصل مشن ہمیشہ یہ رہا ہے کہ دین کے قانون کو خدا کی زمین پر قائم فرما دیں، جب تک یہ مقصد پورا نہیں ہوگیا آپ کو عالمِ قدس کی طرف بلانے کی دعوت بھی نہیں دی گئی۔ اور جس دن یہ مقصد پورا ہوگیا، مکمل آئین پوری طرح نافذ ہوگیا تو قرآن نے سورۂ

www.toobaaelibrary.com

"النصر" کے ذریعے اشارہ کر دیا کہ اب بعثت کا مقصد پورا ہو گیا ہے، رسالت کے فرائض پورے ہو چکے، رہی خلافت کے فرائض کی انجام دہی اس کو آپ کے خلفاء انجام دیتے رہیں گے۔

○ قرآن کے الفاظ اور اس کے معانی یعنی رسول اللہؐ کا اسوۂ حسنہ صحابہ کرام رضؓ کی آنکھوں کے سامنے تھا، عبادات اور احکامات تو الگ رہے یہاں تو عادات میں بھی اتباع کا یہ عالم تھا کہ ان میں بھی پوری مشابہت پیدا کرنے کے لئے صحابہ کی جدوجہد جاری رہا کرتی تھی، آپ ہی کی طرح نشست و برخاست، رفتار و گفتار، کھانا پینا، سونے جاگنے کی ایک ایک حالت گذارنا ان کا آخری جذبہ تھا۔ اگر کسی نے آپ کی قمیص کا گریبان کھلا دیکھ لیا تو وہ اسی ادا پر مرمٹا، اگر کسی نے لوکی کے ٹکڑوں کی طرف آپ کی انگلیاں چلتی دیکھ لیں تو اسی دن سے اسے لوکی سے عشق ہو گیا اور اگر کسی نے کوئی بات کہہ کر ہنستے دیکھا تو اس نے وہ بات نقل کر کے آپ کی طرح ہنس پڑنا بھی اپنے اوپر لازم تصور کر لیا۔

قرآن کے الفاظ اور نبی کی ہر ہر بات اور ہر ہر ادا کا چرچا، ان کی ہر ہر حرکت کا نقشہ ہر گھر میں موجود تھا۔ یہ تھا حفاظتِ قرآن و حدیث کا رنگ۔

○ تمام امت کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید ایک جامع اور کامل کتاب ہے، مگر صحیح معنیٰ میں قرآنِ مجید کی جامعیت احادیثِ نبویؐ پر نظر کرنے کے بعد ہی روشن ہوتی ہے ___ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا بڑا مقصد قرآن کی تلاوت و تعلیم ہی قرار دیا گیا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	بیشک بڑا احسان کیا اللہ نے ایمان والوں
اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	پر کہ بھیج دیا ان میں پیغمبر ان ہی میں سے
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ	جو پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور ان
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔	کو پاک کرتا ہے اور ان کو سکھاتا ہے
(آل عمران ــ ۱۶۴)	کتاب اور عقل کی باتیں۔

مذکورہ آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے تین اہم مقصد بتائے گئے ہیں۔

۱۔ تلاوتِ کتاب

۲۔ تزکیہ

۳۔ تعلیم

○ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن خود تلاوت کر کے نہ بتایا ہوتا تو معلوم نہیں کہ

www.toobaaelibrary.com

عرب اور عجم کی تلاوت میں اور الفاظ کی ادائیگی میں کتنے نقائص باقی رہ جاتے، اس بنیاد پر قرآن کی صحیح تلاوت کے لئے ایک مستقل فن "تجوید" کے عنوان سے مدون ہوا۔

○ کسی کتاب کی مراد سمجھنے کے لئے صرف زبان کا جاننا کافی نہیں ہوتا، اگر قرآن عربوں کی زبان دانی اور ان کے فہم پر چھوڑ دیا جاتا اور رسول کی ذات درمیان سے علیحدہ کرلی جاتی تو کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح مراد کو پہنچ پاتے۔

جب روزے کے احکام میں یہ آیت نازل ہوئی کہ:

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ (بقرہ-۱۸۷)

کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سیاہ وسفید دھاگے میں تمھیں فرق معلوم ہونے لگے۔

تو ایک صحابی عدی بن حاتم رضؓ نے دو دھاگے ایک سفید اور دوسرا سیاہ لے کر اپنے تکیہ میں رکھ لئے اور شب میں ان دھاگوں کو دیکھتے رہے۔ جب دونوں کا رنگ نظر آنے لگا، تو انھوں نے کھانا پینا بند کر دیا۔

آپ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا اے عدی تمھارا تکیہ بڑا لمبا چوڑا معلوم ہوتا ہے جس میں رات اور دن دونوں سما جاتے ہیں، یہاں سیاہ اور سفید دھاگے مراد نہیں شب کی تاریکی اور دن کی سفیدی مراد ہے، اس کے بعد مزید وضاحت کے لئے آیت میں مِنَ الْفَجْرِ کا ٹکڑا اور نازل ہوگیا تاکہ یہ غلط فہمی پھر پیدا نہ ہو۔

کتاب اللہ کی جامعیت اور اسکی صحیح مراد سمجھنے کے لئے یقیناً ایک ایسے معلم کی بھی ضرورت ہے جو اپنی عقل سے نہیں بلکہ خدا سے علم پاکر حسب ضرورت اس کی تفصیل کرتا رہے۔ کتاب اللہ کا رشتہ رسول سے ہرگز منقطع نہیں کیا جا سکتا۔ رسول کے کسی ایک لفظ اور کسی ایک نقطہ کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ جو رشتہ خدا اور رسول کے درمیان ہے وہی کتاب اللہ اور حدیث رسول کے درمیان سمجھنا چاہیئے۔

○ پھر یہ کہ قرآن مجید صرف ایک علمی کتاب نہیں بلکہ یہ افراد و اقوام کا وہ دستور العمل ہے جسے زندگی کے ایک ایک شعبے میں نافذ کرنا ہے۔ اس لئے رسول کی تعلیم کے بعد بھی ایک اہم ضرورت اور باقی رہتی ہے اور وہ ہے اس کا نقشۂ عمل۔ مشیت ایزدی نے یہاں معلم کتاب کے ساتھ اس کا نقشۂ عمل علیحدہ نہیں بھیجا بلکہ جو معلم تھا خود اسی کو مجسم نقشۂ عمل بنا دیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ہر قوم کے لئے اپنے پیشوا نمونہ ہوتے ہیں)

www.toobaaelibrary.com

اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ۔ (احزاب ـ ۲۱) تمہارے لئے بہتر نمونہ خدا کا یہ رسول ہے۔
قرآن مجید سب سے زیادہ جامع کتاب ہے تو اس کا نقشۂ عمل یعنی اسوۂ رسول بھی جامع ترہے۔
○ حاصل یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں متن اور شرح کی نسبت ہے، قرآن متن ہے تو حدیث اس کی شرح ہے۔ اور یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ قرآن کا مرتبہ حدیث سے مقدم ہے۔

احکام میں فرقِ مراتب کیوں ـــــ؟

یہاں ایک بڑی لطیف اور مفید بحث ہے کہ جب حکمِ شریعت خواہ قرآن میں ہو یا حدیث میں یکساں ہے تو اس کے احکام میں فرض، واجب، سنت، مستحب وغیرہ کے مراتب کا فرق کیوں ہے۔ بات صرف اتنی ہی نہیں کہ جو حکم قرآن سے ثابت ہو وہ فرض ہے اور جو حدیث سے ثابت ہو وہ واجب ہے۔ بہت سے مستحبات ہیں جو قرآن سے ثابت ہیں۔ بہت سے فرائض ہیں جو حدیث سے ثابت ہیں۔ نوعیتِ ثبوت میں جو بھی فرق ہو مگر مراتبِ احکام میں جو فرق ہے اس کی وجہ کیا ہے ــــــ؟ اس سلسلہ میں بحر العلوم نے رسائل الارکان میں جو بات تحریر فرمائی ہے وہ مسئلہ کی پوری حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے :-

کسی ماہیت کے اجزاء، اہمیت اور غیر اہمیت کے لحاظ سے یکساں نہیں ہوتے۔ ایک درخت میں جڑ، شاخیں، پتیاں، ٹہنیاں سب اس کے اجزاء کہلاتے ہیں مگر ہر شخص جانتا ہے کہ اس کے یہ تمام اجزاء ایک حیثیت نہیں رکھتے۔

مگر ان اجزاء میں اتنا فرق نظر آتا ہے کہ بعض کے کٹ جانے سے درخت باقی رہتا ہے اور بعض کے کٹ جانے سے درخت کی صرف زینت میں فرق پڑتا ہے اور بعض کے کٹ جانے سے اس کے نمو میں نقصان پیدا ہو جاتا ہے، اور بعض کے کٹ جانے سے درخت کی حقیقت ہی ختم ہو جاتی ہے۔

اسی طرح انسان میں ہاتھ، پیر، سر، دل، دماغ وغیرہ سب اس کے اجزاء شمار ہوتے ہیں، اگر انسان کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے جائیں تو پھر بھی اس کو انسان ہی کہا جاتا ہے، لیکن اگر اس کی گردن کاٹ دی جائے تو پھر وہ انسان نہیں رہتا بلکہ اس کا ایک ڈھانچہ رہ جاتا ہے۔

پس جس طرح خارج میں کسی ماہیت کے اجزاء میں حکم کا اتنا فرق موجود ہے

www.toobaaelibrary.com

اسی طرح فقہاء نے شرعی ماہیات کے اجزاء میں یہی فرق سمجھا ہے۔

نماز کے بعض اجزاء وہ ہیں جن کے نقصان سے نماز کی زینت میں فرق آتا ہے، یہ مستحبات ہیں۔ اور بعض سے اس کی حقیقت میں نقصان پیدا ہوتا ہے، یہ واجبات ہیں۔ اور بعض سے نماز کے نام کا اس پر اطلاق کرنا ہی درست نہیں رہتا، یہ فرائض اور ارکان ہیں۔

رہا یہ ہے کہ ان کے مراتب کا اندازہ کیسے ہوا ـــــ؟۔ تو یہ اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور عمل سے ہوتا ہے۔ مثلاً نماز میں بعض اجزاء کے ترک سے آپ نے اس عمل کو ناقص قابل اعادہ قرار دیا، اور بعض کے ترک سے گو ناقص کہا مگر اس کا اعادہ لازم نہیں کیا، اور بعض کی وجہ سے اس عمل کا ہونا نہ ہونا برابر سمجھا ـــــ ایک طرف آپ کے فرمان میں یہ تفاوت اور فرق موجود ہے۔ دوسری طرف قرآن اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ کہہ کر نماز کا تقاضا کر رہا ہے تو لامحالہ فقہاء کو یہ غور کرنا پڑا کہ نماز میں وہ اجزاء کونسے ہیں جن کے ادا کر لینے سے خدا کا مطالبہ پورا پورا ادا ہو جاتا ہے۔ اور وہ کون سے ہیں جن کے ترک سے ناقص ادا ہوتا ہے۔ اور وہ کون سے ہیں جن سے نماز کی صرف زینت میں فرق پڑتا ہے، اصل حقیقت فوت نہیں ہوتی۔ فقہاء نے صرف ہماری سہولت کے لئے ان اجزاء کے علیحدہ علیحدہ نام تجویز کر دئے ہیں تاکہ سمجھنے سمجھانے میں آسانی ہو جائے۔ صیغۂ امر ایک ہی رہتا ہے مگر مطالبہ کی اہمیت میں خود اس خبر کے اہم اور غیر اہم ہونے کے لحاظ سے فرق پڑ جاتا ہے

وَاَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ	ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے تاکہ آپ
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ ۔	لوگوں کے سامنے اسے خوب واضح کر دیں۔

(نحل ـــ ۴۴)

رسول کی جس خدمت و فرض کو آیت مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے اسی کا دوسرا نام حدیث ہے۔

حافظ ابن قیمؒ[1] نے اعلام الموقعین میں بڑی قیمتی بات لکھی ہے۔ فرماتے ہیں :۔

احادیث کے ذخیرے پر نظر ڈالی جاتی ہے تو کل تین قسم کی حدیثیں نظر آتی ہیں :۔

(۱) بعض احادیث وہ ہیں جن میں بعینہٖ وہی حکم مذکور ہے جو قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) بعض حدیثوں میں کسی مجمل کی مراد یا کسی لفظ کی تفسیر مذکور ہوتی ہے، ان دونوں

---

[1] ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر الجوزیہ، ابن قیم۔ متوفی ۷۵۱ھ

www.toobaaelibrary.com

قسموں میں آپ کی اطاعت کا کوئی خاص مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ اگر یہ احادیث نہ بھی ہوتیں جب بھی یہ احکام قرآن میں مذکور ہونے کی وجہ سے واجب الاطاعت تھے۔ پس یہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ (خدا کی اطاعت کرو) کے تحت میں درج ہیں۔

(۳) بعض احادیث جن میں وجوب و حرمت کے ایسے احکام مذکور ہیں جن سے قرآن نے سکوت اختیار کیا ہے۔ ان ہی احکام کے ماننے کے لئے وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (اور اطاعت کرو رسول کی) کا حکم دیا گیا ہے، اگر یہ تیسری قسم واجب الاطاعت نہ ہو تو پھر خاص اطاعتِ رسول کا کوئی مصداق ہی نہیں نکلتا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کی پوری آیت پر اسی وقت عمل ہو سکتا ہے جب ہر سہ اقسام کی اطاعت کی جائے

قرآن کریم نے رسول کی مستقل اطاعت کو بھی خدا کی اطاعت کی دوسری شکل قرار دیا ہے" مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" رسول کی اطاعت ایک لحاظ سے خدا ہی کی اطاعت ہے۔

(جلد ۲ صـ۲۳۲)

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کی حیثیت تشریعی ہے —— ایمان میں تصدیق کے ساتھ التزام طاعت اطاعتِ رسول کا عزم ہی ایمان و کفر کو جدا جدا کرتا ہے۔ عزم کے بعد اب آگے کتنا عمل میسر آتا ہے یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔

اسلام نے روایت اور درایت کا توازن قائم کر کے صحیح تنقید کی راہ دکھلائی ہے اور اس کے لئے ایک ایسا معتدل آئین مرتب کیا ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط ہے —— اسلام نے بتایا کہ ہر کان پڑی خبر کی طرف دوڑ پڑنا بھی غلط ہے —— اور تحقیق و تفتیش کے سلسلہ میں بدگمانی کی حد تک پہنچ پانا بھی غلو اور وہم پرستی ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۔

(حجرات — ۶)

اے ایمان والو جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بے تحقیق کسی قوم پر حملہ کرو بعد میں اپنے کئے پر شرمندہ ہونا پڑے۔

www.toobaaelibrary.com

ایک طرف یہ تحقیق کا حکم ہے تو دوسری طرف بلا وجہ بدگمانی کی ممانعت ہے جو بے اعتمادی پیدا کردے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا۔ (حجرات — ۱۲)	اے ایمان والو بہت سی بدگمانیوں سے بچا کرو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ کی حد تک ہوتی ہیں اور تجسس اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لوگوں کے عیب بھی تلاش کرنے کی خصلت مت اختیار کرو

تحقیق اور حقیقت تک رسائی کی عادت کے ساتھ، بلاوجہ کی بدگمانی سے بچنے کی ہدایت کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ ہر خبر کی تحقیق کا سلیقہ ہر انسان کو نہیں ہوتا اس کے لئے اہلیت درکار ہوتی ہے۔

وَاِذَا جَآءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ۔ (النساء — ۸۳)	جب ان کے پاس کوئی امن یا ڈر کی خبر آتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں، اگر اس کو رسول یا اپنے علماء و حکام تک پہنچا دیتے تو جو اُن میں ملکۂ استنباط رکھنے والے شخص تھے وہ اس کو پورے طور پر معلوم کر لیتے۔

روایتی پہلو میں سب سے اہم خبر دینے والے اور شاہدوں کا بیان ہے، ان کو یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے بیان اور گواہی میں پوری احتیاط سے کام لیں، جھوٹ یا طرف داری کا شائبہ تک نہ آنے پائے۔ اس لئے جھوٹ بولنے یا ایک دوسرے پر جھوٹا الزام لگانے کی اتنی مذمت کی گئی کہ اس سے بدتر سوسائٹی کا کوئی عیب نہ رہا۔ لعنت کا لفظ عربی زبان میں انتہائی مذمت و نفرت کا لفظ سمجھا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے عام طور پر جھوٹ بولنے والوں پر لعنت کا اعلان کر دیا۔

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَ[1]	اور خدا سے دعا کریں کہ جھوٹ بولنے والوں پر خدا کی لعنت ہو

دوسری جگہ جھوٹ بولنا مخالف پارٹی یعنی بے ایمانوں کا شعار قرار دیا۔

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْكٰذِبُوْنَ (نحل - ۱۰۵)	خدا پر جھوٹ کی افترا پردازی وہی لوگ کرتے ہیں جو اس کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور دراصل پکے جھوٹے یہی لوگ ہیں۔

---
[1] آل عمران - ۶۰

www.toobaaelibrary.com

اگر کوئی شخص کسی پاکباز کی عصمت پر تہمت لگادے تو اس کے لئے دائمی طور پر یہ تعزیر مقرر کردی،

وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا[1] ان کی گواہی آئندہ کبھی قبول نہ کرو۔

گویا انسانی سوسائٹی میں ہمیشہ کے لئے ان کے قول کی بے وقعتی آئینی طور پر تسلیم کرلی گئی۔ بوقتِ ضرورت شہادت کا چھپالینا ایسا گناہ قرار دیا جو انسان کے قلب پر اثر انداز ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (بقرہ - ۲۸۳) جو شخص گواہی چھپائے گا اس کا دل گناہگار ہوگا"۔

پھر کذب و افترا کی اس عام مذمت پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ یہ خاص طور پر سمجھایا کہ خدا پر افترا پردازی کا نمبر ہر قسم کے جھوٹ اور افترا سے بڑھ کر ہے تاکہ عام طور پر راستبازی کے علاوہ یہاں خاص طور پر بھی اس کا لحاظ رکھا جائے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ (ہود - ۱۸) اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا، جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر جھوٹ افترا کرے۔

آئین روایت و درایت کو خوب مرتب اور مہذب کرکے جب اپنے رسول کی خاص وحی کا ذکر کیا تو قانونِ روایت کے مطابق اس کی سند پھر اس کے راوی کی عدالت بھی خود واضح فرمائی۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ
ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ
مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ
(تکویر - ۱۹ - ۲۱)

یہ قرآن ایسے فرشتے کی زبانی ہے (جو حسب ذیل اوصاف کا مالک ہے) قوت والا ہے خدا کے نزدیک مرتبہ والا ہے، اور وہاں ایک امانت دار افسر ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نطق کے متعلق عام انسانوں سے ایک صفتِ برتری یہ بیان فرمائی۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى
(النجم - ۳ و ۴)

اپنی خواہشِ نفس سے وہ کچھ نہیں بولتے جو بات کہتے ہیں وہ خدا کی وحی ہوتی ہے جو اُن پر نازل ہوتی ہے۔

---
[1] النور - ۴

www.toobaaelibrary.com

آپ نے درایت پر زور دیتے ہوئے مخاطبین کے سامنے اپنی صفائی ان الفاظ میں پیش کی

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ	آخر اپنے دعویٰ نبوت سے پہلے بھی میں نے
أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (یونس ۔۔۱۶)۔ . . .	اپنی عمر کا بڑا حصہ تمہارے درمیان ہی گذارا
	ہے (پھر کبھی جھوٹ بولا) تو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

اس کے روایتی پہلو کی صفائی کے لئے قرآن کریم نے رسول کے بارے میں ایک خاص آرڈیننس کا بھی ذکر فرمایا:۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ	اگر بالفرض آپ ایک بات بھی ہماری طرف
لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا	اپنی جانب سے بنا کر منسوب کرتے تو ہم دایاں ہاتھ
مِنْهُ الْوَتِينَ (الحاقہ۔۴۴تا۴۶)۔	پکڑ کر ان کی شہ رگ کاٹ دیتے۔

ان بنیادی اصول کی روشنی میں مذہب اسلام جتنی ترقی کرتا رہا اسی قدر اس کے بنیادی تنقید کے اصول بھی ساتھ ساتھ ترقی کرتے رہے حتیٰ کہ اسناد، جرح وتعدیل، احوالِ رواۃ، ہر ایک کے لئے جُدا جُدا مستقل فن مرتب ہو گئے۔ علامہ جزائری نے توجیہ النظر میں حدیث کے سلسلہ میں ۵۲ قسم کے علوم بالتفصیل بیان فرمائے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد احادیث کے مفید یقین ہونے میں ایک منٹ کے لئے بھی شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

واقعات کی دنیا میں جہاں ذہنی اوہام کی کوئی قیمت نہیں ہے ہر محکم سے محکم طریق اور ہر جائز سے جائز احتمال کا لحاظ رکھ کر یہ دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص بھی حدیث کے مختلف طرق اس کے راویوں کے صدق وکذب اور اس کے جروح و علل پر نظر کرے گا اس کو ان کی سچائی پر یقین کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ سکتا۔

حافظ ابن حجرؒ[1] نے خوب فرمایا ہے کہ محدث کی مثال ایک صرّاف کی ہے، بسا اوقات روپے کی شکل وصورت اور آواز تک میں فرق نہیں ہوتا مگر صراف کی چٹکی اس کا کھوٹ بتا دیتی ہے۔

جس قوم نے تحقیق وتبیین، استنباط واستشہاد کی اہمیت، کذب وافترا سے نفرت بدگمانی وبدظنی سے احتراز کے دور میں پرورش پائی ہو، کیا اس کا طبعی مزاج تساہل وغفلت، اغماض وچشم پوشی ہو سکتا ہے یا ہر معاملہ کی تحقیق وتفتیش کرنا ان کی طبیعت ثانیہ ہو جانی چاہیئے اور حسن ظن وبدظنی سے علیحدہ

---

[1] شہاب الدین الحافظ ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر متوفیٰ ۸۵۲ھ / ۱۴۴۸ء

www.toobaaelibrary.com

، ہو کر واقعہ کی تحقیق کرنا انھیں اپنا فرضِ منصبی نظر آنا چاہیئے۔

اس مقدس اور کامل انسان کی باتیں ـــــ اس کی زندگی کے معمولات ان لوگوں نے نقل کئے ہیں جو شب و روز اس انسان کے ساتھ رہتے تھے ـــــ ان کی باتیں غور سے سنتے تھے، ان کے ہر کام کو دیکھتے تھے ـــــ بس یوں سمجھ لیجئے کہ اس انسان کے چاروں طرف مووی کیمرے لگے رہتے جو اس کی ہر بات اور ہر کام کو محفوظ کرتے رہتے تھے ـــــ انسانی دماغ بھی ایک کیمرے کی طرح ہے ـــــ کیمرہ خود بے جان ہوتا ہے صرف محفوظ کر سکتا ہے ـــــ انسانی دماغ محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا تاثر بھی قبول کرتا ہے اور وہ تاثر اس کی عملی قوتوں کو حرکت دیتا ہے۔

اس انسان کی باتیں اور حالات جاننے کے لئے جو معیار (STANDARD) مقرر کیا گیا وہ یہ ہے کہ:۔ جو بات یا واقعہ بیان کیا جائے وہ اس شخص کی زبان سے ہو جو خود واقعہ میں شریک تھا اور اگر خود نہ تھا تو واقعہ میں شریک تمام بیان کرنے والوں کے نام ترتیب کے ساتھ بیان کئے جائیں ـــــ پھر ان بیان کرنے والوں کے بارے میں یہ تحقیق کی جائے کہ:

یہ کون لوگ تھے ـــــ کیسے تھے ـــــ ان کے مشغلے کیا تھے ـــــ ان کا چال چلن کیسا تھا ـــــ ان کی سمجھ کیسی تھی ـــــ بھروسے کے قابل تھے یا نہیں، بھولنے کی عادت تو نہ تھی ـــــ بات کو گھٹانے بڑھانے کی عادت تو نہ تھی ـــــ کس ذہنی سطح کے تھے ـــــ؟

ان چھوٹی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا ـــــ لیکن اس مشکل کو آسان کیا گیا۔

سینکڑوں ہزاروں لوگوں نے اپنی عمریں اسی کام میں لگادیں ـــــ ایک ایک شہر میں گئے ـــــ راویوں سے ملے ـــــ ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کئے۔ ان تحقیقات کے ذریعے تقریباً پانچ لاکھ راویوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں ـــــ کیا کسی اور تاریخ میں آپ کو یہ اہتمام ملے گا ـــــ؟

روایت میں اس اہتمام اور انتظام کے علاوہ عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے اور جانچنے کے اصول مقرر کئے ـــــ اس طرح ہر روایت اور بات کو نقل اور عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھا۔

حدیثوں اور روایتوں کے فن کے ماہرین یہ امام اور اسکالر خود اس درجہ دیانتدار اور

www.toobaaelibrary.com

حق گو تھے کہ کسی کی پروا کئے بغیر سچ بات کہتے تھے۔

وکیع نام کے اسی طرح کے بڑے محدث تھے، ان کے والد سرکاری خزانچی تھے۔ ان کی اس سرکاری حیثیت کی وجہ سے یہ احتیاط کرتے تھے کہ جب خود ان سے روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ملا لیتے، تنہا اپنے والد کی روایت پر انحصار نہیں کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب[1] ۱۳۰/۱۱)

معاذ ابن معاذ نے ایک اور محدث کو دیکھا کہ ان کو اپنی لکھی ہوئی یادداشت دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ فوراً ان کے حافظہ پر اپنی بے اعتباری ظاہر کردی۔

(تہذیب التہذیب ۲۱۱/۶)

غرض حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ...... اس چھان پھٹک کے ساتھ، تنقید کی چھلنی میں چھن کر ہمارے سامنے آتی ہیں کہ اس میں تاریخی صحت کے لحاظ سے کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

قرآن کی لفظی حفاظت حفاظ نے کی ہے تو اس کے معانی کے بہتے ہوئے دریا کی نگہداشت محدثین نے کی ہے۔

ڈاکٹر اسپرنگر لکھتا ہے کہ —— "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔" (ترجمان السنۃ جلد اول صفحہ ۱۷)

ضعیف حدیثیں اور ان پر عمل کی شرطیں

حدیث کی کتابوں میں ضعیف اور کمزور حدیثیں بھی ملتی ہیں —— یہ حدیثیں کیوں درج کی گئی ہیں —— اس کے بارے میں علامہ جزائری لکھتے ہیں:۔

"بہت سے ناواقف حضرات کو محدثین پر یہ اعتراض ہے کہ انھوں نے حدیث کی کتابوں میں ضعیف حدیثیں کیوں جمع کر رکھی ہیں —— اس کے جواب میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ محدثین مجہول اور کمزور حافظہ کے اشخاص کی احادیث صرف اس لئے جمع کرتے تھے کہ یہ احادیث کم از کم ایک مضمون کی تقویت اور تائید میں کارآمد ہوسکتی ہیں —— قَالَ اَحْمَدُ قَدْ اَكْتُبُ حَدِيْثَ

---

[1] شہاب الدین حافظ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفیٰ ۸۵۲ھ / ۱۴۴۸ء

www.toobaaelibrary.com

الرَّجُلِ لِاَعْتَبِرَهُ ــــ اور احمد رح فرماتے ہیں کبھی ایک شخص کی حدیث اس لئے بھی لکھتا ہوں کہ اس کو متابعت اور شواہد کے طور پر کام میں لاسکوں۔

(توجیہ النظر صفحہ ۱۳۴)

اعمال کی فضیلت، یا کسی عمل کی رغبت دلانے والی حدیثیں یا کسی عمل سے ڈرانے والی حدیثیں اگر ضعیف ہیں تو کیا ان پر عمل کیا جاسکتا ہے ــــ ؟ اس کے لئے محدثین نے بعض شرطیں رکھی ہیں۔ حافظ السخاوی[1] رح اپنے شیخ حافظ ابن حجر رح کے حوالے سے "القول البدیع" میں لکھتے ہیں:۔

اِنَّ شَرَائِطَ الْعَمَلِ بِالضَّعِيْفِ ثَلَاثَةٌ

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں

(۱) اَلْاَوَّلُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اَنْ يَّكُوْنَ الضُّعْفُ غَيْرُ شَدِيْدٍ، فَيَخْرُجُ مَنْ اِنْفَرَدَ مِنَ الْكَذَّابِيْنَ وَ الْمُتَّهِمِيْنَ بِالْكِذْبِ وَمَنْ فَحُشَ غَلَطُهٗ۔

○ پہلی شرط جو تمام محدثین کے نزدیک متفق ہے یہ ہے کہ حدیث بہت زیادہ ضعیف نہ ہو۔ اس طرح یہ ان حدیثوں سے الگ ہو جاتی ہے جن کے کسی راوی پر جھوٹ کا الزام ہو یا جو بہت فحش غلطیاں کرتے ہیں اور بہت زیادہ جھوٹ بولنے کے لئے ان میں نمایاں ہوں۔

(۲) اَلثَّانِيْ اَنْ يَّكُوْنَ مُنْدَرِجًا تَحْتَ اَصْلٍ عَامٍّ، فَيَخْرُجُ مَا يُخْتَرَعُ بِحَيْثُ لَا يَكُوْنُ لَهٗ اَصْلٌ اَصْلًا۔

○ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ حدیث شریعت کے عام قاعدے اور اصل کے تحت آتی ہو۔ اس طرح وہ ان گھڑی ہوئی حدیثوں کی فہرست سے نکل جاتی ہے جنکی شریعت میں کوئی اصل ہی نہیں ہے۔

(۳) اَلثَّالِثُ: اَنْ لَّا يَعْتَقِدَ عِنْدَ الْعَمَلِ بِهٖ ثُبُوْتَهٗ، لِئَلَّا يُنْسَبَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَمْ يَقُلْهُ۔

○ تیسری شرط یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرتے وقت یہ اعتقاد نہ ہو کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تاکہ آپ کی طرح ایسی بات منسوب ہو جانے کا الزام نہ آنے پائے جو آپ نے نہیں فرمائی۔

ان شرطوں کے علاوہ حافظ ابن دقیق العید نے ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی یہ شرط بھی بیان کی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے دین میں کوئی "شعار" قائم نہ ہوتا ہو۔

---

[1] حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمان السخاوی متوفی ۹۰۲ھ

www.toobaaelibrary.com

وَاِنْ كَانَ ضَعِيْفًا لَا يَدْخُلُ فِيْ حَيِّزِ الْمَوْضُوْعِ فَاِنْ اَحْدَثَ شِعَارًا فِي الدِّيْنِ مُنِعَ مِنْهُ (احکام الاحکام جلد اصفحہ ۵)

اور اگر حدیث ضعیف ہو بشرطیکہ موضوع حدیث کے دائرے میں نہ آتی ہو تو اس پر عمل اسوقت جائز ہے کہ جب اس سے دین میں کوئی شعار قائم نہ ہوتا ہو۔

بہرحال حدیث کی تشریعی حیثیت کا تقاضاہے کہ ضعیف حدیث خواہ اس کا ضعف متن کے اعتبار سے ہو یا معنیٰ کے اعتبار سے اس کے بیان میں اور عمل میں پوری احتیاط رکھی جائے۔

حدیثوں پر عمل میں علمائے دیوبند کا طریقہ

علمائے دیوبند حدیث رسول ﷺ کو قرآن کا بیان، اس کی تشریح و توضیح اور قرآن کے بعد مصدر شریعت سمجھتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں عام طور پر امام ابوحنیفہ رح پر اعتماد کرتے ہیں۔ امام صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ ہر ثابت شدہ حدیث پر عمل ہو سکے، عمل کرنا چھوڑنے سے بہتر ہے اگر دو حدیثوں میں تعارض اور ٹکراؤ معلوم ہو تو اس ٹکراؤ کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ قرآن مجید کی آیات اور اس باب کی تمام حدیثوں کو ایک جگہ کر کے یہ دیکھتے ہیں کہ شارع کی غرض کیا ہے ـــــ؟ قدر مشترک اور مناط حکم کیا ہے؟ شارع کی غرض معلوم ہونے کے بعد اس حکم سے متعلق روایات کے اجزاء کو اس غرض شارع کے ساتھ جوڑتے چلے جاتے ہیں۔ اس طریقہ پر کوئی روایت چھوٹنے نہیں پاتی بلکہ سب روایات میں تطبیق اور توفیق ہو کر مرتب علم کا ایک عظیم ذخیرہ سامنے آجاتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ صحابہ کا عمل اور ان کے فتوے مل کر اس نقطۂ مناط کو ایک عظیم سمندر کی صورت دے دیتے ہیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب ایک حکم اور ایک مسئلے کی دو روایتوں میں ٹکراؤ ختم کرنا ممکن نہیں ہوتا تو پھر یہ دیکھتے ہیں کہ اس روایت کے بیان کرنے والے راوی فقیہ ہیں یا غیر فقیہ۔ یعنی وہ حکم کی علت اور منشاء کے ثبوت کو زیادہ سمجھنے والے تھے یا ان میں تفقہ نہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے صرف الفاظ نقل کر دئے ہیں ـــــ ظاہر ہے کہ ان انسانی صلاحیتوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تمام صحابہ کامل درجہ کے عادل، قابل اعتماد تھے۔ مگر انسانی صلاحیتوں، اخذ و استنباط کے اعتبار سے ان کی صلاحیتیں مختلف تھیں ـــــ ایسے موقعہ پر امام ابوحنیفہ رح قانون میں ماہرانہ نظر رکھنے والے راوی کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔

www.toobaaelibrary.com

روایت کے ساتھ یہ درایت مسئلے کو پوری طرح نکھار دیتی ہے ۔

مثال کے طور پر نماز کا مسئلہ ہے ـــــــ نماز ابتدا میں فرض ہوئی تو اسلام کے دیگر احکامات کی طرح درجہ بدرجہ اس میں قیود بڑھتی گئیں، شروع میں ڈھیل رکھی گئی، آہستہ آہستہ جیسے جیسے عادت پختہ ہوتی گئی اس کے مکمل احکامات ملتے گئے ـــــــ اور اس کی ایک مکمل شکل وصورت سامنے آگئی۔

نماز میں مناطِ حکم اور شارع کا منشا سکون اور عدمِ حرکت ہے ـــــ حکم کی یہ بنیاد سامنے آنے کے بعد اس کے خلاف جو حدیثیں ہوں گی ان کو اپنے محل میں رکھا جائے گا اور یہ مناطِ حکم باقی رہے گا۔

برصغیر ہند وپاک میں عام طور پر احکامِ شریعت میں "امام ابوحنیفہ رح" کی تشریحات پر اعتماد کیا جاتا ہے ـــــ علمائے دیوبند بھی عام طور پر حنفی ہیں مگر مقلدِ جامد نہیں ہیں ـــــ ان کا مسلک اور طریقہ یہ ہے کہ قرآن وسنت پر گہری نظر رکھنے والے کے سامنے اگر ایسا مسئلہ آجائے کہ امامِ مجتہد کا قول واضح حدیث سے ٹکرا رہا ہو تو اسے امام کی تحقیق وتشریح کے بجائے حدیثِ صحیح ومقبول پر عمل کرنا چاہیئے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے الاقتصار فی التقلید والاجتہاد، مولانا اشرف علی تھانویؒ ص ۶۳)

www.toobaaelibrary.com

۹۔ عقل، سائنس، فلسفہ، علمِ کلام، متکلمین

اسلام تبلیغی اور دعوتی دین ہے —— ہر زمانے میں مختلف چیلنج اس کے سامنے رہے ہیں، اسلام کا دائرہ پھیلنا شروع ہوا تو یونانی علمِ کلام اور فلسفہ اس کے سامنے چیلنج بن کر کھڑا ہوگیا —— یہ چیلنج ایسا ہی تھا جیسے آج کا سائنسی دور ایک نیا چیلنج لیکر آیا ہے۔

مذہب کی صداقت کو ثابت کرنے کے دو طریقے ہوسکتے ہیں۔

○ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ مذہب ایک غیر مادی چیز ہے، اس لئے وہ مادی علوم کی دسترس سے باہر ہے اور مادی علوم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مذہب کی صداقت پر معترض ہوں۔

○ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ علم کے جن ذرائع اور وسائل سے مادی علوم میں کسی مادی حقیقت کو ثابت کیا جاتا ہے ان ہی ذرائع علم کے ماتحت مذہب کو ثابت کیا جائے۔

○ پہلی صورت میں دین میں عقل کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے، اس میں معقولیت، شائستگی اور تہذیب کا حصہ نہیں رہ جاتا —— اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک آقا اپنے نوکر سے کہے کہ جا کر فلاں پتھر اٹھا لاؤ، پتھر کیوں منگوایا جارہا ہے اس سے کوئی غرض نہیں، بس آزمائش مقصود ہے کہ نوکر حکم کی تعمیل کرتا ہے یا نہیں ——؟ یا کوئی حاکم کہے کہ جا کر فلاں درخت کو چھولو —— یہ امتحان لینا ہے کہ حکم مانتا ہے یا نہیں بذاتِ خود اس حکم میں کوئی معقولیت، کوئی خوبی، کوئی فائدہ اور کوئی حسن نہیں ہے۔

○ دوسری صورت یہ ہے کہ بے شک مذہب کے احکامات پر عمل کا محرک آقا کا حکم ہے —— مگر آقا کوئی ایسا حکم نہیں دیتا جو بلا وجہ فضول اور بے کار قسم کا ہو —— اس کے ہر حکم میں معقولیت، حکمت عمل کرنے والے کا فائدہ، پنہاں ہے —— جہاں تک عقلِ انسانی، بڑے زمانے کے تجربے مشاہدے، محنت اور جانفشانی کے بعد بھی نہ پہنچ پاتی۔ مذہب نے ہاتھ پکڑ کر اس کو اس منزل تک پہنچا دیا —— یہاں نقلِ صحیح اور عقلِ صحیح میں کوئی ٹکراؤ معلوم نہیں ہوتا بلکہ عقل —— نقل کے روبرو ہاتھ باندھ کر کھڑی نظر آتی ہے —— اس صورت میں علم کی روشنی مذہب کی صداقت کو اور

www.toobaaelibrary.com

نکھارنے میں مددگار ہوتی ہے۔

سَنُرِیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ — عنقریب ہم دکھائیں گے اپنی نشانیاں ان کو

وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ — آفاق میں اور خود ان کے اندر یہاں تک کہ

الۡحَقُّ (حم سجدہ - ۵۳) — ان پر ظاہر ہوجائے کہ وہ حق ہے۔

یہ عقل کا ثبوتی مرحلہ ہے، جس میں منطقی ثبوتیت (LOGICAL POSITIVISM) یا سائنسی تجربیت ....(SCIENTIFIC EMPIRICISM) ہو۔

مذہب کے انکار کرنے والوں نے اپنے انکار کی بنیاد تین چیزوں پر رکھی ہے۔

۱ــــ کائنات میں قانونِ فطرت (LAW OF NATURE) کارفرما ہے، اس کے پیچھے کوئی فعال اور قادر خدا نہیں ہے۔ شروع میں لوگ "محرکِ اول" کے طور پر خدا کو مانتے رہے۔

۲ مذہب انسان کے اپنے لاشعور اور نفسیات کی پیداوار ہے، نہ کہ فی الواقع کوئی خارجی حقیقت۔

۳ــــ مذہب ــــــ مخصوص تاریخی حالات کی پیداوار ہے، اس نے اپنی تسکین کیلئے کچھ غیر معمولی طاقتیں مذہب کے نام سے پیدا کرلیں۔

○ پہلی بات کہ کائنات قانونِ فطرت کے مطابق چل رہی ہے۔ اس کے پیچھے کوئی فعال اور قادر ہستی نہیں ہے ــــــ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک فطرت کا قانون کائنات کا ایک واقعہ ہے مگر یہ کائنات کی توجیہ نہیں ہے ــــــ فطرت بتاتی ہے کہ کیا ہورہا ہے؟ کس طرح ہورہا ہے؟ ــــــ مگر کیوں ہورہا ہے سبب کیا ہے ــــ؟۔ اس کا جواب مذہب کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ عقل اور علم واقعہ کی تصویر دکھاتے ہیں ــــــ واقعہ کی توجیہ نہیں بتاتے ــــــ واقعہ کی توجیہ کے لئے مذہب کی ضرورت پہلے بھی رہی ہے، اور آج بھی ہے۔

○ دوسری بات کہ مذہب انسان کے لاشعور کی اور نفسیات کی پیداوار ہے ــــــ نفسیاتی نقطۂ نظر سے انسان کا لاشعور اصلاً خلا ....(VACUUM)...ہے اس میں پہلے سے کوئی چیز موجود نہیں ہوتی بلکہ شعور کی راہ سے ہوکر گذرتی ہے۔ وہ نامعلوم حقائق کا گودام نہیں ہے۔ لیکن

www.toobaaelibrary.com

انبیاء کی زبانوں سے جس مذہب کا اعلان ہوا ہے وہ ایسی حقیقتوں پر مشتمل ہیں جو فرضی نہیں دائمی ہیں ـــــ وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو نہ تو انھیں پہلے سے معلوم تھیں، نہ ان کے وقت تک پوری نسلِ انسانی کو معلوم ہوئی تھیں، پھر ان کا سرچشمہ لاشعور کیسے ہو سکتا ہے۔

○ تیسری بات کہ مذہب مخصوص تاریخی حالات کی پیداوار ہے ـــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہے، اس کی اپنی کوئی ہستی نہیں ہے ـــــ انسان ماحول کے کارخانے میں ڈھلتا ہے ـــــ وہ الگ سے سوچ کر کوئی کام نہیں کرتا۔ بلکہ جو کچھ کرتا ہے اس کے مطابق سوچنے لگتا ہے ـــــ اگر یہ واقعہ ہے تو کارل مارکس[لہ]، جو خود بھی سرمایہ دارانہ نظام کے اندر پیدا ہوا تھا اس کے لئے کس طرح ممکن ہوا کہ وہ اپنے وقت کے معاشی حالات کے خلاف سوچ سکے ـــــ اگر مذہب کو پیدا کرنے والی چیز وقت کا اقتصادی اور تاریخی نظام ہے تو آخر مارکس ازم وقت کے اقتصادی نظام کی پیداوار کیوں نہیں ہے ـــــ؟

مذہب کا مقدمہ

مذہب کا مقدمہ یہ ہے کہ مذہب جن بنیادوں اور عقیدوں پر قائم ہوتا ہے وہ احساس سے ماورار دنیا سے متعلق ہیں ـــــ مثلاً اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے ہم یہ نہیں کر سکتے کہ خود خدا کو کسی دوربین کے ذریعہ دکھادیں ـــــ بلکہ اللہ کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے ہم کائنات کے نظم، اس کی معنویت اور اس کی منصوبہ بندی کو ثابت کرتے ہیں اور اس کے منطقی نتیجہ کے طور پر منصوبہ ساز (اللہ تعالیٰ) کا وجود ثابت ہوتا ہے۔

○ پرانے زمانے کی منطق و فلسفہ سے لیکر آج کی نئی دنیا اور سائنس تک کسی چیز کے مطالعے کا یہ طریقہ رہا ہے کہ صرف وہی چیز اپنا حقیقی وجود نہیں رکھتی جو براہِ راست ہمارے تجربے یا مشاہدے میں آئی ہو بلکہ براہِ راست تجربے میں آنے والی یا مشاہدے میں آنے والی چیزوں کی بنیاد پر جو "علمی قیاس" کیا جاتا ہے وہ بھی اسی طرح حقیقت ہو سکتا ہے جس طرح وہ تجربہ یا مشاہدہ۔ منطقی استنباط پہلے بھی ایک ثابت شدہ علمی طریقہ تھا اور آج بھی ہے ـــــ اور ظاہر ہے کہ علم کا تعلق عقل و فہم سے ہے اس لئے عقل و فہم مذہبی حقائق کو اور زیادہ روشن کر دیتے ہیں۔

لہ کارل مارکس (۱۸۱۸ء - ۱۸۸۳ء)

www.toobaaelibrary.com

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی[۱] رہ کے حکیمانہ استدلال کا انداز علمائے دیوبند کا خاص امتیاز ہے۔

○ متکلمین میں ابو منصور ماتریدی[۲] کا فکر غالب ہے، مگر ماتریدیہ اور اشاعرہ[۳] کے باہمی اختلافاتِ فکر میں تطبیق اور توفیق کا راستہ اپنایا ہے۔

گویا کلامی رُخ پر علمارِ دیوبند کے مسلک کی بنیاد قرآن مجید کے اس طرح کے ارشادات ہیں:۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی اور آسمان اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں۔

(آل عمران — ۱۹۱)

یعنی وہ نقل پر عقل کو حاکم نہیں بناتے، مگر نقل کو عقل کے خلاف نہیں سمجھتے۔

---

[۱] مولانا محمد قاسم نانوتوی رہ ولادت ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء وفات: جمعرات ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء مزار دیوبند میں ہے۔

[۲] ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی متوفیٰ ۳۳۳ھ / ۹۴۴ء

[۳] اشاعرہ فرقہ ہے جو امام ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری کی طرف منسوب ہے ان کے سن وفات میں اختلاف ہے ۳۲۴ھ - ۳۳۰ھ - ۳۳۳ھ / ۹۴۴ء سال وفات بیان کیے گئے ہیں۔

www.toobaaelibrary.com

۱۰ــ اسلامی سیاست

اسلام " دین " ہے ، یہ صرف روحانی عقیدے کا ہی نام نہیں ہے، بلکہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا ہے ــــ اسلام میں سیاست اور مذہب کے الگ الگ رکھنے کا کوئی تصور نہیں ہے ــــ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور حکمرانی کے لئے اس کے اپنے اصول اور نظریات ہیں۔

قرآن اور سنت کے سیاسی احکام کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے مملکت کے لئے کوئی خاص وضع اور ہیئت مقرر نہیں کی۔ نہ ہی کوئی قطعی نمونہ تجویز کیا ہے جس سے مطابقت ضروری ہو یا جس کی پیروی لازم ہو۔

اسلام کا مقصد اور مدعا یہ ہے کہ، حکومت کی وضع کوئی بھی ہو اگر اس میں عدلِ اجتماعی مخلوق کی راحت و فلاح کے وہ تقاضے پورے ہوتے ہوں جو اسلام کے نزدیک ضروری ہیں تو حکومت کا اصل مقصد پورا ہوتا رہے گا۔

انسان کی سیاسی، عمرانی اور اقتصادی ضرورتیں ایسی ہیں کہ ان میں برابر تغیر ہوتا رہتا ہے۔ اسلئے شریعت نے بنیادی اصول کی نشاندہی کردی ہے، اس کے سوا دستور اور قانون سازی کی سرگرمیوں اور حکومت کے وسیع کاروبار کا وسیع دائرہ اس کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ وقتی حالات کے مطابق اجتہاد کی روشنی میں قانون بنتے رہیں ــــ اسلامی حکومت کی ہیئت کی نشاندہی کے لئے سب سے بہتر لفظ " خلافت " ہے جو اسلام کے تصورِ حکومت و سیاست کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

اسلامی ریاست کے مقاصد

قرآن حکیم کے مطالعے سے ریاستِ اسلامی کے قیام کے جو مقاصد ابھر کر سامنے آتے ہیں ہم انھیں ان الفاظ میں بیان کرسکتے ہیں:-

۱۔ ریاست اسلامی کے قیام کا اولین مقصد اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کے اقتدارِ اعلیٰ کو قائم کرنا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

۲۔ اس کا ایک اور مقصد اس ریاست میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ دستور اور آئین کو مکمل شکل میں نافذ کرنا ہے۔

۳۔ اس ریاست میں اسلام کے نظامِ عدل وانصاف کو اپنی اصل اور مکمل صورت میں نافذ کرنا ہے۔

۴۔ اس ریاست میں نظامِ صلوٰۃ وزکوٰۃ کو قائم کرنا ہے۔

۵۔ ریاست میں نظامِ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قیام ہے۔

۶۔ اس کا ایک اور مقصد ریاست میں امن کا قیام اور نظم وضبط کا نفاذ ہے۔

۷۔ نظامِ مواخات و مواساۃ پر عمل درآمد ہے۔

۸۔ اس کا ایک اور مقصد، مقصدِ حیات کی تکمیل کرنا ہے۔

۹۔ نظام خلافت ونیابت کو عملی طور پر نافذ کرنا ہے۔

۱۰۔ افرادِ ملت کی سیرت وکردار کی تشکیل وتعمیر ہے۔

۱۱۔ ملت کا نشو ونما وارتقاء ہے۔

۱۲۔ رعایا کی جان ومال کا تحفظ کرنا ہے۔

ریاست اسلامی کی امتیازی خصوصیات

ریاست اسلامی کی ممتاز ومنفرد خصوصیات ایسی ہیں جو اسے دنیا کی غیر اسلامی ریاستوں سے ممتاز وممیز کرتی ہیں۔

۱۔ نیابتی ریاست

ریاست اسلامی کی ممتاز خصوصیات میں سے پہلی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک نائبِ رسول ریاست ہے۔ یعنی ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری اور ابدی رسول ہیں۔ چونکہ آپ اللہ کے حکم سے اس جہانِ فانی سے پردہ فرما گئے لہذا آپ کی امت کے متقی، جید عالم اور باعمل علماء آپ کے نائب ہیں۔ اسی لئے یہی علماء قیامت تک کارِ نبوت کو جاری وساری رکھیں گے۔

www.toobaaelibrary.com

۲۔ نظریاتی ریاست

ریاست اسلامی کی دوسری منفرد خصوصیت اس کی نظریاتی بنیاد ہے۔ یہ بنیاد صرف اس نظریۂ زندگی اور ایمان ویقین پر ہے جس کا اسلام دعویدار ہے کیونکہ مذہب اسلام میں اصل حاکم اللہ ہے، رسول دنیا میں اس کا نمائندہ اور انسان اس کا نائب اور قرآن کریم اس کا دستورِ حیات ہے۔

۳۔شورائی ریاست

اسلامی ریاست کی ممتاز خصوصیات میں سے اہم خصوصیت اس کا شورائی ریاست ہونا ہے۔ یعنی اس ریاست کی حکمرانی کی بنیاد شورائیت پر ہے۔

۴۔ اصولی اور جماعتی ریاست

ریاست اسلامی کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہ ایک اصولی اور جماعتی ریاست ہے یعنی اسے صرف وہ لوگ چلانے کے اہل ہیں جو اس کے دستور پر یقین رکھتے ہوں اور اس کے قوانین پر عمل کرتے ہوں۔

۵۔ فلاحی ریاست

اسلامی ریاست کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک فلاحی، خیرسگالی، خیرخواہی اور خلقِ خدا کی خدمت کرنے والی ریاست ہے جو امنِ عامہ کے قیام اور دفاعی انتظامات کے علاوہ زندگی کے ہر شعبے میں اخوت و محبت، مساوات، عدل وانصاف اور امانت و دیانت کو قائم کرکے انسانی جدوجہد کی راہ میں حائل تمام دشواریوں کا قلع قمع کردیتی ہے اور بلاامتیاز رنگ ونسل مذہب وقوم اپنے تمام شہریوں کو بنیادی سہولتیں فراہم کرتی ہے۔

ریاست اسلامی کے فلاحی اقدامات

اسلام اپنی ریاست کو ان اقدامات کے ذریعے فلاحی ریاست بنانے کا منصوبہ پیش کرتا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

(۱) ترغیب صدقہ (۲) جد و جہد (۳) انفرادی ملکیت کا حق
(۴) زکوٰۃ (۵) ارتکاز دولت کی ممانعت (۶) فضول خرچی کی ممانعت
(۷) تعیشات پر پابندی (۸) معذوروں کی امداد (۹) مجبوروں کی کفالت
(۱۰) بنیادی ضروریات کی بلا امتیاز فراہمی (۱۱) جائز معاشی آزادی
(۱۲) سماجی معاشرتی، سیاسی اور معاشی عدل (۱۳) سود اور شراب پر پابندی۔
(۱۴) ملاوٹ اور رشوت ستانی پر پابندی (۱۵) دولت کی منصفانہ تقسیم
(۱۶) ناجائز منافع خوری کا خاتمہ (۱۷) دھوکہ دہی اور فریب کاری کی ممانعت
(۱۸) امانت و دیانت کا حکم (۱۹) قومی و ملی ہمدردی اور اتحاد کا حکم۔
(۲۰) مؤثر اخلاقی تعلیمات (۲۱) اقربا پروری کا خاتمہ۔
(۲۲) ہر فرد کو اپنی صلاحیت کے مطابق مواقع روزگار فراہم کرنے کی ضمانت۔
(۲۳) تعلیم کو عام کرنے اور مفت کرنے کا حکم (۲۴) سستا اور فوری انصاف مہیا کرنیکا حکم۔
(۲۵) ظلم و زیادتی کا خاتمہ۔ (۲۶) سماجی اور اخلاقی برائیوں کو ختم کر کے نیکیوں کو فروغ دینے کا حکم۔
(۲۷) حرام کاروبار کی ممانعت (۲۸) ایک دوسرے کی پاسداری کا حکم۔
(۲۹) امداد باہمی کا حکم (۳۰) وطن، دین اور اپنے نظریۂ حیات سے محبت کرنے کا حکم۔
(۳۱) امن و امان کی ضمانت (۳۲) بدامنی و شرپسندی کا خاتمہ۔
(۳۳) طبقاتی کش مکش کا خاتمہ (۳۴) شریعتِ الٰہیہ کا مکمل نفاذ وغیرہ وغیرہ۔

۱- اقتدارِ اعلیٰ کی حکمرانی

ریاست اسلامی میں اس کے اقتدار اعلیٰ کی مکمل حکمرانی ہو گی اور اس میں کسی اور کو شریک کار نہیں ٹھیرایا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:۔

"کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے" (سورۃ البقرہ آیت ۱۰۷)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

"کہو اختیار سارا کا سارا اللہ ہی کا ہے۔" (آل عمران۔ آیت ۱۵۴)

۲- اجتماعی عدل

قرآن کی پیش کردہ تعلیمات کی روشنی میں قائم ہونے والی ریاست میں اجتماعی

www.toobaaelibrary.com

عدل کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں ادنیٰ و اعلیٰ، غلام و آقا، حاکم و محکوم، امیر و غریب، کسان و مزارع، افسر و ماتحت، اور بادشاہ و رعایا سب کے سب یکساں قانونی مساوات کے مستحق ہیں اس میں کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب ؐ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ:۔ "اے نبی آپ کہہ دیں کہ، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان عدل قائم کردں۔
(سورۂ شوریٰ آیت ۱۵)

۳- باہمی مساوات

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں قائم ہونے والی ریاست کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ اس میں بلا امتیاز رنگ و نسل، زبان، وطن و قوم تمام مسلمانوں کو یکساں حقوق حاصل ہوں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ "مومنین تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔" (سورۃ الحجرات، آیت ۱۰)

۴- شورائیت

ریاستِ اسلامی کا ایک اہم اصول نظامِ شورائیت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:۔
"اور مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔" (سورۂ شوریٰ: ۳۸)

۵- جواب دہ حکومت

ریاست اسلامی کا ایک اور اہم اصول یہ ہے کہ اس میں قائم ہونے والی حکومت مطلق العنان اور آزاد نہیں ہوگی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اپنے عوام کے سامنے جواب دہ ہوگی۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: "اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت داروں کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تمھیں اچھی نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے" (سورۂ انبیاء، آیت ۵۸)

ایک اور موقع پر آنحضرت ؐ نے اسی مفہوم کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔
"دیکھو تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب پر حکمراں ہو، وہ بھی راعی ہے اور وہ بھی اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔"
(بخاری شریف۔ جلد۳ صفحہ ۱۸۹)
(مطبوعہ دار العربیہ بیروت)

www.toobaaelibrary.com

۶۔ نیکی میں اطاعت واجب اور بدی میں واجب نہیں

اسلامی ریاست کا ایک سنہرا اصول یہ ہے کہ اس کے باشندوں پر امیر کی اطاعت صرف معروف اور نیکی کے کاموں میں واجب ہوتی ہے اور بدی کے کاموں میں امیر کی اطاعت واجب نہیں جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے:

"اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں، اطاعت تو صرف معروف (یعنی نیکی کے کاموں) میں ہے۔" (مسلم باب وجوب طاعۃ الامراء، جلد ۲، صفحہ ۱۵۰ مطبوعہ بیروت)

۷۔ حصول اقتدار کی آرزو کی ممانعت

ریاست اسلامی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اس ریاست کے لئے منتخب کئے جانے والے ارکانِ حکومت پر یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اقتدار کے حصول کی طمع یا خواہش نہ کریں۔ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:۔

"یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں نہ تو اپنی بڑائی کے طالب ہوتے ہیں اور نہ فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔" (سورۃ القصص، آیت ۸۳)

۸۔ مکمل نظامِ شریعت کے نفاذ کی ذمہ داری

اسلامی ریاست کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اس ریاست میں قائم ہونے والی حکومت کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے ریاست میں اسلامی قوانین کو مکمل اور قطعی طور پر نافذ کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔" (سورۃ الحج: ۴۱)

۹۔ اصول احتساب

ریاست اسلامی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اس ریاست کے تمام امور اصولِ احتساب کی بنیاد پر انجام دئے جاتے ہیں، یعنی اس کے امیر، ارکان حکومت اور رعایا سب کی

www.toobaaelibrary.com

مشترکہ ذمہ داری یہ ہے کہ وہ جو امور بھی انجام دیں اس احتسابی اصول پر عمل کر کے انجام دیں اور یہ تصور کریں کہ انھیں اپنے عمل کے ذرّے ذرّے کا حساب اللہ کو دینا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"پس جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھے گا، اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اسے دیکھے گا۔" (سورۃ الزلزال: پ ۳۰)

۱۰۔ خارجہ پالیسی کے اصول

تعلیمات قرآن حکیم کے تحت قائم ہونے والی ریاست کے امور خارجہ اور بین الاقوامی امور کی انجام دہی کے لئے قرآن حکیم نے یہ اصول عطا کئے ہیں:۔

۱۔ دوسری قوموں سے کئے گئے معاہدے کی پابندی کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:۔

"عہد پورا کرو، یقیناً عہد کے متعلق باز پرس ہوگی۔" (سورہ بنی اسرائیل: آیت ۳۴)

۲۔ اگر کسی صورت میں معاہدہ فسخ کرنا ضروری ہو تو اس صورت میں فریق معاہدہ کو آگاہ کر دینا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"اور اگر تمھیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو جائے تو اسکے معاہدے کو علانیہ اسکے آگے پھینک دو (یعنی انھیں معاہدے کے ختم ہونے کی اطلاع کردو۔)" (انفال۔ ۵۸)۔:

۳۔ تمام معاملات میں دیانت اور سچائی کے اصول اختیار کرنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"اور اپنی قسموں کو اپنے درمیان مکر وفریب کا ذریعہ نہ بناؤ"۔ (النحل: ۹۴)

۴۔ بین الاقوامی عدل وانصاف کا قیام۔ اس سلسلے میں رب لم یزل نے فرمایا کہ:۔

"اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو .... انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔" (سورۃ المائدۃ آیت ۸)

۵۔ صلح کا حکم، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ۔ (سورۃ الانفال: ۶۱)

۶۔ فساد فی الارض کی ممانعت۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں اپنی برتری نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں"۔ (سورۃ القصص آیت: ۸۳)

۷۔ اچھا معاملہ کرنے والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

www.toobaaelibrary.com

"اچھے سلوک کا بدلہ اچھے سلوک کے سوا اور کیا ہے۔" (سورۃ الرحمٰن آیت ٦)

۸۔ زیادتی کرنے والوں کے ساتھ زیادتی کرنے کی اجازت۔ جیسا کہ حکم ربی ہے:۔
"پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے کی تھی۔"

(سورۃ البقرہ: آیت ۱۹۴)

۹۔ غیر جانب دار ملکوں سے دوستانہ سلوک کرو۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:۔
"اللہ تم کو اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیک سلوک اور انصاف کرو جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی ہے اور تمھیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"[ل]

(سورۃ الممتحنہ: آیت ۸)

○ علمائے دیوبند دینی سیاست کو دین سے علیحدہ نہیں سمجھتے ـــــ مگر دین کو سیاست نہیں سمجھتے۔ علمائے دیوبند نے دینی سیاست میں عملی حصہ لے کر دکھا دیا ہے کہ وہ سیاست جس کا مقصد اعلاءِ کلمۃ اللہ ہو دین کا حصہ ہے۔

ل تصور ریاست اسلامی صفحہ ۸۸ تا ۹۴

www.toobaaelibrary.com

۱۱ — مسلکِ دیوبند کی بنیادی بات

عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ۔ رواہ فی الموطا

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثالث ص۳۱)

حضرت مالک ابن انس رض سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک مضبوطی سے ان دونوں کو تھامے رہوگے گمراہ نہ ہوگے ایک اللہ کی کتاب، دوسرے اس کے رسول کی سنت۔

مسلک دیوبند کی بنیاد، کتاب وسنت پر ہے۔

- مجرد رائے پر بنیاد نہیں ہے۔
- رواج وچلن پر بنیاد نہیں ہے۔
- حکایات وواقعات پر بنیاد نہیں ہے۔
- زمانے کی روش پر بنیاد نہیں ہے۔

کتاب اللہ اور سنت رسول کی مراد کیا ہے —؟ مراد کو سمجھنے میں ذوق اور ذہنیت کا بڑا دخل ہوتا ہے —— دیوبند، یہ ذوق دیتا ہے، یہ ذہنیت پیدا کرتا ہے کہ اللہ اور رسول کی مراد کو سمجھنے کے لئے صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد کے قابل اعتماد لوگوں کو نظر انداز نہ کیا جائے —— یہی مطلب ہے تعلیم کے ساتھ تربیت اور ذہن سازی کا۔

- بنی اسرائیل کی تباہی اور راہِ حق سے ہٹنے میں دو چیزوں کا دخل رہا ہے۔

(۱) تحقیق پر آئے تو کوہ طور پر کلام باری بلا واسطہ سن کر سو طرح کے شبہات نکالنے لگے لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً[۱] ہم تمہارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کرینگے جب تک کہ اپنی آنکھوں سے اعلانیہ خدا کو تم سے کلام کرتے نہ دیکھیں۔ بنی اسرائیل ہی کے یہود نے کتاب پر بلا شخصیت قناعت کی۔ ان میں تکبر اور کج فہمی پیدا ہوئی یہ علمی فتنہ تھا

(۲) تقلید پر آئے تو ان کے علماء جو کہہ دیتے اسے اندھوں کی طرح لینے کے لئے تیار رہیں۔

---

[۱] بقرہ — ۵۵

www.toobaaelibrary.com

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ - ۳۱)
انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا کی جگہ سمجھ لیا تھا.

بنی اسرائیل میں سے نصاریٰ نے کتاب چھوڑ کر شخصیت پرستی کی راہ اپنائی، یہ عملی فتنہ تھا.
صحیح بات یہ ہے کہ کتاب بلا شخصیت نہیں ہے اور شخصیت بلا کتاب نہیں ہے ـــــ یہی راستہ سلامتی کا ہے، اعتدال کا ہے ـــــ اور صراطِ مستقیم ہے۔

دل چاہتا ہے کہ اس طالب علمانہ تحریر میں ـــــ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب[1] قدس سرہٗ کے بابرکت اور جامع الفاظ شامل کرلئے جائیں کہ جو کچھ احقر نے اپنے الفاظ میں لکھا ہے وہ بھی حضرت علیہ الرحمتہ کا فیض وطفیل ہے. ورنہ۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیمِ صبح تیری مہربانی

"علمی حیثیت سے یہ ولی اللّٰہی جماعت مسلکاً اہلِ سنت والجماعت ہے، جس کی بنیاد کتاب وسنت اور اجماع وقیاس پر قائم ہے، اس کے نزدیک تمام مسائل میں اولین درجہ نقل وروایت اور آثارِ سلف کو حاصل ہے، جس پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ اس کے یہاں کتاب وسنت کی مرادات محض قوتِ مطالعہ سے نہیں بلکہ اقوالِ سلف اور ان کے متوارث مذاق کی حدود میں محدود رہ کر نیز اساتذہ اور شیوخ کی صحبت وملازمت اور تعلیم وتربیت ہی سے متعین ہوسکتی ہیں اسی کے ساتھ عقل ودرایت اور تفقہ فی الدین بھی اس کے نزدیک فہم کتاب وسنت کا ایک بڑا اہم جزو ہے وہ روایات کے مجموعے سے شارع علیہ السلام کی غرض وغایت کو سامنے رکھ کر تمام روایات کو اسی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے، اور سب کو درجہ بدرجہ اپنے اپنے محل پر اس طرح چسپاں کرتا ہے کہ وہ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں دکھائی دیں، اس لئے جمع بین الروایات اور تعارض کے وقت تطبیقِ احادیث اس کا خاص اصول ہے، جس کا منشاء یہ ہے کہ وہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت کو بھی چھوڑنا اور ترک کردینا نہیں چاہتا، جب تک کہ وہ قابلِ احتجاج ہو، اسی بناء پر اس جماعت کی نگاہ میں نصوصِ شرعیہ میں کہیں بھی تعارض اور اختلاف محسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ سارے کا سارا دین تعارض اور اختلاف سے مبرا رہ کر ایک ایسا گلدستہ دکھائی دیتا ہے جس میں ہر رنگ کے

[1] حضرت قاری محمد طیب ابن مولانا محمد احمد ابن مولانا محمد قاسم نانوتوی رح (۱۸۹۴ء - ۱۹۸۳ء)

www.toobaaelibrary.com

علمی وعملی پھول اپنے اپنے موقع پر کھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی کے ساتھ بطریق اہلِ سلوک جو رسمیات اور رواجوں اور نمائشی حال وقال سے مبّرا اور بری ہے، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن بھی اس کے مسلک میں ضروری ہے، اس نے اپنے منتسبین کو علم کی رفعتوں سے بھی نوازا اور عبدیت و تواضع جیسے انسانی اِخلاق سے بھی مزین کیا، اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار، استغناء (علمی حیثیت سے اور غنائِ نفس (اخلاقی حیثیت سے) کی بلندیوں پر فائز ہوئے، وہیں فروتنی، خاکساری اور ایثار وزہد کے متواضعانہ جذبات سے بھی بھرپور ہوئے، نہ رعونت اور کبر ونخوت کا شکار ہوئے اور نہ ذلتِ نفس اور مسکنت میں گرفتار، وہ جہاں علم واخلاق کی بلندیوں پر پہنچ کر عوام سے اونچے دکھائی دینے لگے وہیں عجز ونیاز، تواضع و فروتنی اور لا امتیازی کے جوہروں سے مزین ہوکر عوام میں ملے جلے اور " کاَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ " بھی رہے جہاں وہ مجاہدہ ومراقبہ سے خلوت پسند ہوئے وہیں مجاہدانہ اور غازیانہ اسپرٹ نیز قومی خدمت کے جذبات سے جلوہ آرا بھی ثابت ہوئے۔ غرض علم واخلاق، خلوت وجلوت اور مجاہدۂ وجہاد کے مخلوط جذبات ودواعی سے ہر دائرۂ دین میں اعتدال اور میانہ روی ان کے مسلک کی امتیازی شان بن گئی۔ جو علوم کی جامعیت اور اخلاق کے اعتدال کا قدرتی ثمرہ ہے، اسی لئے ان کے یہاں محدث ہونے کے معنی فقیہ سے لڑنے یا فقیہ ہونے کے معنی محدث سے بیزار ہوجانے کے یا نسبتِ احسانی (تصوف پسندی) کے معنی متکلم دشمنی یا علمِ کلام کی حذاقت کے معنی تصوف بیزاری کے نہیں بلکہ اس کے جامع مسلک کے تحت اس تعلیم گاہ کا فاضل درجہ بدرجہ بیک وقت محدّث، فقیہ، مفسّر، مفتی، متکلم، صوفی (مُحْسِنْ) اور حکیم ومربی ثابت ہوا، جس میں زہد وقناعت کے ساتھ عدمِ تقشف، حیا وانکساری کے ساتھ عدمِ مُداہنت، رأفت ورحمت کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، قلبی یکسوئی کے ساتھ قومی خدمت اور خلوت درانجمن کے ملے جلے جذبات راسخ ہوگئے، ادھر علم وفن اور تمام اربابِ علوم وفنون کے بارے میں اعتدال پسندی، حقوق شناسی اور ادائیگی حقوق کے جذبات ان میں بطورِ جوہرِ نفس پیوست ہوگئے، بنابریں دینی شعبوں کے تمام اربابِ فضل وکمال، اور

www.toobaaelibrary.com

راسخین فی العلم خواہ محدثین ہوں یا فقہاء، صوفیاء ہوں یا عرفاء، متکلمین ہوں، یا اصولیین، امراء اسلام ہوں یا خلفاء ان کے نزدیک سب واجب الاحترام اور واجب العقیدت ہیں۔ جذباتی رنگ سے کسی طبقے کو بڑھانا اور کسی کو گرانا یا مدح وذم میں حدودِ شرعیہ سے بے پروا ہوجانا اس جماعت کا مسلک نہیں۔ اس جامع طریق سے دارالعلوم نے اپنی علمی خدمات سے شمال میں سائبیریا سے لے کر جنوب میں سماٹرا اور جاوا تک اور مشرق میں برما سے لیکر مغربی سمتوں میں عرب اور افریقہ تک علوم نبویہ کی روشنی پھیلادی جس سے پاکیزہ اخلاق کی شاہراہیں صاف نظر آنے لگیں۔

دوسری طرف سیاسی اور ملکی خدمات سے بھی اس کے فضلاء نے کسی وقت بھی پہلو تہی نہیں کی حتی کہ ۱۸۰۳ء سے ۱۹۴۷ء تک اس جماعت کے افراد نے اپنے اپنے رنگ میں بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کیں جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ کسی وقت بھی ان بزرگوں کی سیاسی اور مجاہدانہ خدمات پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا بالخصوص تیرہویں صدی ہجری کے نصف آخر میں مغلیہ حکومت کے زوال کی ساعتوں میں خصوصیت سے حضرت شیخ المشائخ مولانا حاجی محمد امداد اللہ[1] صاحب قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو مریدانِ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ اور ان کے منتسبین اور متوسلین کی مساعیٔ انقلاب، جہادی اقدامات، اور حریت، واستقلالِ ملی کی فداکارانہ جدوجہد اور گرفتاریوں کے وارنٹ پر ان کی قید وبند وغیرہ وہ تاریخی حقائق ہیں جو نہ جھٹلائی جاسکتی ہیں نہ بھلائی جاسکتی ہیں، جو لوگ ان حالات پر محض اس لئے پردہ ڈالنا چاہتے ہیں کہ وہ خود اس راہِ سرفروشی میں قبول نہیں کئے گئے تو اس سے خود ان ہی کی نامقبولیت میں اضافہ ہوگا۔ اس بارے میں ہندوستان کی تاریخ سے باخبر اور اربابِ تحقیق کے نزدیک ایسی تحریریں خواہ وہ کسی دیوبندیُّ النسبت کی ہوں یا غیر دیوبندی کی جن سے ان بزرگوں کی ان جہادی خدمات کی نفی ہوتی ہو لَایُعْبَأُ بِہٖ اور قطعًا ناقابلِ التفات ہیں، اگر حسنِ ظن سے کام لیا جائے تو ان تحریرات کی زیادہ سے زیادہ توجیہ صرف یہ کی جاسکتی ہے کہ ایسی تحریریں وقت کے مرعوب کن عوامل کے نتیجے میں محض ذاتی حد تک حزم و

[1] حاجی امداد اللہ چشتی مہاجر مکی متوفیٰ ۱۳۱۰ھ مدفن جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ۔

www.toobaaelibrary.com

احتیاط کا مظاہرہ ہیں۔ ورنہ تاریخی اور واقعاتی شواہد کے پیش نظر نہ ان کی کوئی اہمیت ہے نہ وہ قابلِ التفات ہیں۔ ان خدمات کا سلسلہ مسلسل آگے تک بھی چلا اور ان ہی متوارث جذبات کے ساتھ ان بزرگوں کے اخلافِ رشید بھی سرفروشانہ انداز سے قومی اور ملی خدمات کے سلسلے میں آگے آتے رہے، خواہ وہ تحریکِ خلافت ہو، یا استخلاصِ وطن، انھوں نے بروقت ان تمام انقلابی اقدامات میں اپنے منصب کے عین مطابق حصہ لیا۔

مختصر یہ کہ علم و اخلاق کی جامعیت اس جماعت کا طرۂ امتیاز رہا اور وسعتِ نظری، روشن ضمیری اور رواداری کے ساتھ دین و ملت، اور قوم و وطن کی خدمت اس کا مخصوص شعار، لیکن ان تمام شعبہ ہائے زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت اس جماعت میں مسئلہ تعلیم علومِ نبوت کو حاصل رہی ہے جبکہ یہ تمام شعبے علم ہی کی روشنی میں صحیح طریق پر بروئے کار آسکتے تھے۔ اور اسی پہلو کو اس نے نمایاں رکھا۔ اس لئے اس مسلک کی جامعیت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جامعِ علم و معرفت، جامعِ عقل و عشق، جامعِ عمل و اخلاق، جامعِ مجاہدہ و جہاد، جامع دیانت و سیاست، جامعِ روایت و درایت، جامعِ خلوت و جلوت، جامعِ عبادت و مدنیت، جامعِ علم و حکمت، جامعِ ظاہر و باطن، اور جامعِ حال و قال ہے۔ اس مسلک کو جو سلف و خلف کی نسبتوں سے حاصل شدہ ہے اگر اصطلاحی الفاظ میں لایا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

دارالعلوم دیناً مسلم، فرقۃً اہل السنت والجماعت، مذہباً حنفی، مشرباً صوفی، کلاماً ماتریدی اشعری، سلوکاً چشتی، بلکہ جامع السلاسل، فکراً ولی اللٰہی، اصولاً قاسمی، فروعاً رشیدی اور نسبتاً دیوبندی ہے۔"

مسلکِ اعتدال کے سات بنیادی اصول

۱۔ علم شریعت جس میں اعتقادات، عبادات، معاملات وغیرہ کی سب انواع داخل ہیں جن کا حاصل ایمان اور اسلام ہے بشرطیکہ یہ علمِ سلف کے اقوال و تعامل کے دائرے میں محدود

www.toobaaelibrary.com

رہ کر ان مستند علماءِ دین اور مربیانِ قلوب کی تعلیم و تربیت اور فیضانِ صحبت سے حاصل شدہ ہو، جن کے ظاہر و باطن، علم و عمل اور فہم و ذوق کا سلسلہ سندِ متصل کے ساتھ حضرت صاحبِ شریعت علیہ افضل الصلوات والتحیات تک مسلسل پہنچا ہوا ہو، خود رائی یا محض کتب بینی اور قوتِ مطالعہ یا محض عقلی تگ و تاز اور ذہنی کاوش کا نتیجہ نہ ہو. گو وہ عقلی پیرایۂ بیان اور استدلالی حجت و برہان سے خالی بھی نہ ہو کہ اس علم کے بغیر حق و ناحق، حلال و حرام، جائز و ناجائز، سنت و بدعت اور مکروہ و مندوب میں امتیاز ممکن نہیں اور نہ ہی اس کے بغیر دین میں خود رو تخیلات، فلسفیانہ نظریات اور بے بصرانہ توہمات سے نجات ممکن ہے۔

۲- پیروئ طریقت

یعنی محققینِ صوفیہ کے سلاسل اور اصول مجربہ کے تحت (جو کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں) تہذیبِ اخلاق، تزکیۂ نفس اور سلوکِ باطن کی تکمیل کہ اس کے بغیر اعتدالِ اخلاق، استقامتِ ذوق و وجدان، باطنی بصیرت، ذہنی پاکیزگی اور مشاہدۂ حقیقت ممکن نہیں. ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اسلام و ایمان کے ساتھ ساتھ احسان سے متعلق ہے۔

۳- اتباعِ سنت

یعنی زندگی کے ہر شعبے میں سنت نبوی ﷺ کی پیروی اور ہر حال و قال اور ہر کیفیت ظاہر و باطن میں ادبِ شریعت برقرار رکھ کر سنتِ مستمرہ کا غلبہ کہ اس کے بغیر رسومِ جہالت رواجی بدعات و منکرات اور باوجود احوال باطن کے فقدان کے محض رسمی طور پر اہلِ حال کے وجدی شطحیات و کلمات کی نقالی یا انھیں شریعت کے متوازی ایک مستقل قانونِ عام کی صورت دے دیئے جانے کی بلا سے نجات ممکن نہیں۔

۴- فقہی حنفیت

اسلامی فرعیات اور اجتہادیات کا نام فقہ ہے، اور اکابرِ دارالعلوم چونکہ عامۃً حنفی ہیں اس لئے فقہی حنفیت کے معنی اجتہادی فرعیات میں فقہ حنفی کا اتباع اور مسائل

www.toobaaelibrary.com

وفتاویٰ کی تخریج اور ترجیح میں اسی کے اصول تفقہ کی پیروی کے ہیں کہ اس کے بغیر استنباطی مسائل میں ہوائے نفس سے بچاؤ اور تلفیق کے راستے سے مختلف فقہوں میں تلوّن کے ساتھ دائر سائر رہ کر عوام کی حسبِ خواہش، نفسِ مسائل میں قطع وبرید یا ہنگامی حالات کی مرعوبیت سے ذہنی قیاس آرائی اور لاعلمی کے ساتھ مسائل میں جاہلانہ تصرفات واختراعات سے اجتناب ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اسلام سے متعلق ہے۔

۵۔ کلامی ماتریدیت

یعنی اعتقادات میں فکرِ صحیح کے ساتھ طریق اہل سنت والجماعت اور اشاعرہ وماتریدیہ کے تنقیح کردہ مفہومات اور مرتب کردہ اصول وقواعد پر عقائدِ حقہ کا استحکام اور قوتِ یقین کی برقراری، کہ اس کے بغیر زائغین کی خنک اندازیوں، اور فرقِ باطلہ کے قیاسی اختراعات اور اوہام وشبہات سے بچاؤ ممکن نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ شعبہ ایمان سے متعلق ہے۔

۶۔ دفاعِ زیغ وضلالت

یعنی متعصب گروہ بندوں اور اربابِ زیغ کے اٹھائے ہوئے فتنوں کی مدافعت مگر وقت کی زبان وبیان میں اور ماحول کی نفسیات کے شعور کے ساتھ وقت ہی کے مانوس وسائل کے ذریعہ جس سے اتمامِ حجت ہو، نیز مجاہدانہ روح کے ساتھ ان کے استیصال کی مساعی کہ اس کے بغیر ازالۂ منکرات اور معاندین کی دست برد سے شریعت کا تحفظ ممکن نہیں، اس میں ردِّ شرک وبدعت، ردِّ الحاد ودہریت اصلاحِ رسومِ جاہلیت اور حسبِ ضرورت تحریری یا تقریری مناظرے اور تغییرِ منکرات سب شامل ہیں، ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اعلاءِ کلمۃ اللہ بفحوائے لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا اور اظہارِ دین بفحوائے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ اور عام نظمِ ملت سے متعلق ہے۔

www.toobaaelibrary.com

۷۔ ذوقِ قاسمیت ورشیدیت

پھر یہی پورا مسلک اپنی مجموعی شان سے جب دارالعلوم دیوبند کے مربیانِ اول، اور نبض شناسانِ امت حضرت نانوتوی[1] اور حضرت گنگوہی[2] رحمہما اللہ کے روح وقلب سے گذر کر نمایاں ہوا تو اس نے وقت کے تقاضوں کو اپنے اندر سمیٹ کر ایک خاص ذوق اور خاص رنگ کی صورت اختیار کرلی جسے مشرب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ دستورِ اساسی دارالعلوم دیوبند منظورشدہ شعبان ۱۳۶۸ھ میں اس حقیقت کو بایں الفاظ کہا گیا ہے کہ "دارالعلوم دیوبند کا مسلک اہل السنت والجماعۃ حنفی مذہب اور اس کے مقدس بانیوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہما کے مشرب کے موافق ہوگا۔" (دستورِ اساسی ص۶)

اس لئے مسلک دارالعلوم دیوبند کے اجزاءِ ترکیبی میں یہ جزء ایک اہم عنصر ہے جس پر دارالعلوم کی تعلیم وتربیت کا کارخانہ چل رہا ہے، جو احسان کے تحت آتا ہے جبکہ اس کا تعلق روحانی تربیت سے ہے۔ پس علمِ شریعت، پیرویٔ طریقت، اتباعِ سنت، فقہی حنفیت، کلامی ماتریدیت، دفاعِ ضلالات اور ذوقِ قاسمیت و رشیدیت اس مسلک اعتدال کے عناصرِ ترکیبی ہیں جو سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ کا مصداق ہیں، ان سبع سنابل کو اگر شرعی زبان میں ادا کیا جائے تو ایمان، اسلام، احسان اور اظہارِ دین سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ہر نمبر میں اس کی طرف اشارہ بھی کردیا گیا ہے، انہی دفعاتِ سبعہ کا مجموعہ بہ تفصیلِ بالا دارالعلوم دیوبند کا مسلک ہے۔ غور کیا جائے تو یہ مسلک بعینہٖ حدیث جبرئیل کا خلاصہ ہے۔ جس میں جبرئیل علیہ السلام کے سوالات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام، ایمان، احسان اور دفاعِ فتن کی تفصیل ارشاد فرمائی ہے۔ اور اس کے مجموعہ کو تعلیمِ دین فرمایا ہے۔ اس لئے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ علماءِ دیوبند کا مسلک حدیثِ جبرئیل ہے تو بے محل نہ ہوگا۔

حدیث جبرئیل کا متن بلفظ مع ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

عَنْ عمر بن الخطاب رضی اللہ — حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

---

[1] مولانا محمد قاسم نانوتوی ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء — ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء

[2] مولانا رشید احمد گنگوہی ابن مولانا ہدایت احمد ۱۲۴۲ھ — ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء

www.toobaaelibrary.com

عنه قال بينما نحن عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم اذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب شديد سواد الشعر لا يرى عليه اثر السفر ولا يعرفه منا احدٌ حتىٰ جلس الى النبي صلى الله عليه وسلم فاسند ركبتيه الى ركبتيه و وضع كفيه على فخذيه وقال يا محمد اخبرني عن الاسلام قال الاسلام ان تشهد ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله وتقيم الصلوٰة وتؤتي الزكوٰة وتصوم رمضان وتحج البيت ان استطعت اليه سبيلا قال صدقت، فعجبنا له يسأله ويُصَدِّقُهُ. قال فاخبرني عن الايمان قال ان تؤمنَ بالله وملٰئكته وكتبه ورسله واليوم الاخر وتؤمن بالقدر خيره وشره قال صدقت. قال فاخبرني عن الاحسان، قال ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك' قال فاخبرني

کہ ہم ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے کہ اچانک نہایت سفید کپڑوں والا، نہایت سیاہ بالوں والا ایک شخص ظاہر ہوا جس پر سفر کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوتی تھی اور ہم میں سے کوئی شخص اس کو پہچانتا بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اس نے اپنے دونوں زانو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو سے ملا دئے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں زانوں پر یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زانو پر رکھدئے اور اس نے سوال کیا کہ اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتلائیے؟ آپنے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور نماز کو قائم رکھو، اور زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر قدرت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ اس شخص نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ آپ سے سوال کرتا ہے اور پھر اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کے بعد اس شخص نے کہا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتلائیے۔ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اسکی کتابوں پر، اسکے پیغمبروں پر اور آخرت کے دن پر اور تقدیر خیر و شر پر کامل یقین کرو، اس شخص نے کہا آپنے سچ فرمایا۔ پھر اس نے کہا کہ آپ مجھے احسان کے

www.toobaaelibrary.com

عن الساعة قال ما المسئول عنها باعلم من السائل قال فاخبرني عن اماراتها قال ان تلد الامة ربتها و ان ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاة يتطاولون في البنيان قال ثم انطلق فلبثت مليًا ثم قال لي يا عمر اتدري من السائل، قلت الله و رسوله اعلم قال فانه جبريل اتاكم يعلمكم دينكم رواه مسلم ورواه ابوهريرة مع اختلاف وفيه اذا رأيت الحفاة العراة الصم البكم ملوك الارض، في خمس لا يعلمهن الا الله ثم قرأ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ الآية - متفق عليه

بارے میں بتایئے۔ آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسکو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ یقیناً تم کو دیکھ رہا ہے، اس شخص نے کہا کہ آپ مجھے قیامت کے بارے میں بتلایئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس بارے میں جس شخص سے سوال کیا جا رہا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے۔ اس شخص نے کہا کہ آپ اسکی علامتوں کو بتلا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا علامات میں یہ ہے کہ باندی کے پیٹ سے اس کا آقا پیدا ہو اور یہ کہ تم برہنہ پا، برہنہ بدن، بکریاں چرانے والے مفلسوں کو دیکھو کہ وہ بلند عمارتیں تعمیر کرنے میں ایک دوسرے پر مسابقت کریں، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص چلا گیا، میں دیر تک ٹھیرا رہا، پھر آپؐ نے فرمایا کہ عمر! تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل عؑ تھے جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے، یہ روایت مسلم کی ہے حضرت ابوہریرہ نے بھی تھوڑے اختلاف کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تم برہنہ پا، برہنہ بدن، گونگے، بہرے لوگوں کو زمین کا حکمراں دیکھو، اور یوم قیامت ان پانچ چیزوں میں ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا. پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی کہ بلاشبہ قیامت کا علم اللہ ہی کو ہے اور وہی بارش برساتا ہے۔ (متفق علیہ)

پھر ان تمام بنیادی عناصر کی بنیاد و اساس، کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماعِ امت

www.toobaaelibrary.com

اور قیاسِ مجتہد ہے، جن میں سے پہلی دو حجتیں تشریعی ہیں جن سے شریعت بنتی ہے اور آخر کی دو حجتیں تفریعی ہیں جن سے شریعت کھلتی ہے۔ پہلی دو حجتیں منصوصات کا خزانہ ہیں جو روایتی ہیں، جن کے لئے سند و روایت ناگزیر ہے۔ اور دوسری دو حجتیں درایتی ہیں جن کے لئے تربیت یافتہ عقل و فہم اور تقویٰ شعار ذہن و ذوق ناگزیر، اس لئے یہ مسلکِ اعتدال نقلی بھی ہے اور عقلی بھی، روایتی بھی ہے اور درایتی بھی، مگر اس طرح کہ نہ عقل سے خارج ہے نہ عقل پر مبنی، بلکہ عقل و نقل کی متوازن آمیزش سے بایں انداز برپا شدہ ہے کہ نقل اور وحی اس میں اصل ہے اور عقل اس کی ہمہ وقتی خادم اور کارپرداز ہے۔

اس لئے علماءِ دیوبند کا یہ مسلک نہ تو عقل پرست معتزلہ کا مسلک ہے جس میں عقل کو نقل پر حاکم اور متصرف مان کر عقل کو اصل اور وحی یا اس کے مفہوم کو عقل کے تابع کر دیا گیا ہے، جس سے دین فلسفۂ محض بنکر رہ جاتا ہے، عوام کیلئے زندقہ کی راہیں ہموار ہوجاتی ہیں اور ساتھ ہی سادہ مزاج عقیدتمندوں کا کوئی رابطہ دین سے قائم نہیں رہتا اور نہ یہ مسلک ظاہریہ کا مسلک ہے، جس میں الفاظِ وحی پر جمود کرکے عقل و درایت کو معطل کر دیا گیا ہے، اور دین کے باطنی علل و اسرار اور اندرونی حِکَم و مصالح کو خیرباد کہہ کر اجتہاد و استنباط کی ساری راہیں مسدود کر دی گئی ہیں جس سے دین ایک بے حقیقت بلکہ بے معنویت غیر معقول اور جامد شے بن کر رہ جاتا ہے اور دانش پسند اور حکمت دوست افراد کا اس سے کوئی علاقہ باقی نہیں رہتا پس ایک مسلک میں عقل ہی عقل رہ جاتی ہے اور ایک مسلک میں عقل معطل اور بیکار ظاہر ہے کہ یہ دونوں جہتیں افراط و تفریط اور "وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا" کی ہیں جن سے یہ متوسط اور جامع و معتدل دین بری ہے، اس لئے دین کا جامع عقل و نقل مسلک یہی ہے اور یہی ہو بھی سکتا ہے کہ تمام اصول و فروع میں عقلِ سلیم نقلِ صحیح کے ساتھ ہمہ وقت وابستہ رہے مگر دین کے ایک مطیع و فرماں بردار خادم اور پیشکار کی طرح کہ اس کی ہر ایک کُلّی اور جزئی کیلئے عقلی براہین، معقول دلائل، اور حسی شواہد و نظائر فراہم کرتی رہے جس سے دین امت کے ہر طبقہ کے لئے قابلِ قبول اور ہمہ جہتی دستورِ حیات ثابت ہو اور یہ امت "وَجَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا" کی صحیح مصداق دکھائی دے، یہی مسلک اہل السنت والجماعت کا مسلک کہلاتا ہے۔

اور علماءِ دیوبند اس مسلک کے نقیب اور علمبردار ہیں۔ اسی لئے وہ اس مسلکِ جامع اور ان تمام دینی علوم کے اجتماع سے بیک وقت مفسر بھی ہیں اور محدث بھی، فقیہ بھی ہیں اور متکلم بھی، صوفی بھی ہیں اور مجاہد و مفکر بھی۔ اور پھر ان تمام علوم کے امتزاج سے ان کا مزاج معتدل بھی ہے اور متوسط بھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے جماعتی مزاج میں نہ غلو ہے نہ مبالغہ۔ اور اس وسعت نظری کی بدولت نہ تکفیر بازی ہے نہ دشنام طرازی، نہ کسی کے حق میں سب و شتم ہے نہ بدگوئی، نہ عناد و حسد اور طیش ہے اور نہ غلبۂ جاہ و مال اور افراطِ عیش۔ بلکہ صرف بیانِ مسئلہ ہے اور اصلاحِ امت یا احقاقِ حق ہے اور ابطالِ باطل۔ جس میں نہ شخصیات کی تحقیر اور بدگوئی کا دخل ہے، نہ مغرورانہ طعن و استہزا کا، ان ہی اوصاف و احوال کے مجموعہ کا نام دارالعلوم دیوبند ہے اور اسی علمی و عملی ہمہ گیری سے اس کا دائرۂ اثر دنیا کے تمام ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔[1]

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد اول از صفحہ ۴۲۴ تا ۴۲۵۔

www.toobaaelibrary.com

١٢ـ اختلاف ـ اسکے اسباب ـ فرقہ ناجیہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَيَاتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِىْ كَمَا
اَتٰى عَلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ
النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ
مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً
لَكَانَ فِىْ اُمَّتِىْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ
وَاِنَّ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى
ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَ
تَفْتَرِقُ اُمَّتِىْ عَلٰى ثَلٰثٍ
وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِى
النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً
قَالُوْا مَنْ هِىَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟
قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ
رواہ الترمذی۔

وَفِىْ رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَاَبِىْ دَاؤُدَ
عَنْ مُعَاوِيَةَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ
فِى النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِى الْجَنَّةِ۔
وَهِىَ الْجَمَاعَةُ وَاِنَّهٗ سَيَخْرُجُ
فِىْ اُمَّتِىْ اَقْوَامٌ تَتَجَارٰى بِهِمْ
تِلْكَ الْاَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى
الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ لَا يَبْقٰى مِنْهُ

حضرت عبد اللہ ابن عمرو رضؓ سے روایت
ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ ــ جو باتیں بنی اسرائیل میں ہوئیں
وہ ٹھیک ٹھیک میری امت میں ہوں گی
حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے بے محابا اپنی
ماں سے زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی
کوئی ایسا بدبخت ہوگا جو اس بے حیائی کا ارتکاب
کرے گا۔ اور بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں
منقسم ہوئے اور میری امت تہتّر فرقوں
میں بٹ جائے گی، سب کے سب
دوزخ میں جائیں گے۔ مگر ایک فرقہ
صحابہ رضؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ
وہ کونسا فرقہ ہے؟

فرمایا وہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے
پر ہو۔ اس روایت کو ترمذی نے بیان کیا ہے۔
مسند احمد اور سنن ابوداؤد میں معاویہ کی روایت
میں یہ الفاظ ہیں کہ بہتر فرقے دوزخ میں جائیں
گے ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور وہ مسلمانوں
کی جماعت ہوگی۔ آئندہ میری امت میں کچھ لوگ
آئیں گے جن پر اہوا، اور خواہشات اسطرح
رچی ہوئی ہونگی جیسا کہ ہڑک کتے کاٹے کے
جسم میں کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ اس کا ایسا

www.toobaaelibrary.com

عِرْقٌ وَلَا مِفْصَلٌ اِلَّا دَخَلَهُ — نہیں رہتا جس میں یہ بیماری گھسی ہوئی نہ ہو

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ وَیَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ وَمَنْ شَذَّ شَذَّ فِی النَّارِ۔ رواہ الترمذی

حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا، جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے جو جماعت سے الگ ہوا وہ دوزخ میں گیا۔

وَعَنْہُ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِی النَّارِ۔ رواہ ابن ماجہ من حدیث انس ——
(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثانی، صفحہ ۳۰)

ابن عمر رض سے ہی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سواد اعظم کی پیروی کرو، جو الگ ہوا وہ دوزخ میں گیا

مذہبی دنیا میں دین حنیف — اسلام — کے حریف صرف دو مذہب ہیں ایک یہودیت دوسرے عیسائیت۔ عہدِ نبوت میں بھی حریفانہ جنگ ان ہی دو کے درمیان نظر آتی ہے۔ اور حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ مستقبل میں بھی کش مکش ان ہی دو کے درمیان رہے گی۔

قرآنِ مجید کی سورۂ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کے بعد مَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ اور ضَالِّیْنَ کا اس اہتمام سے ذکر کرنا اور پھر اس کی پنجوقتہ نمازوں میں تعلیم شاید اسی طرف اشارہ ہے کہ ملتِ حنفیہ کے لئے جس کی اتباع کا سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ یہی یہودیت اور نصرانیت ہے۔

اسلام جیسے جیسے ترقی کرتا رہا، اسی قدر یہودیت اور نصرانیت بڑھ بڑھ کر اسکے مقابلہ پر آتی رہیں، مکہ مکرمہ فتح ہوا تو مشرکینِ عرب نے اسلام کے سامنے سپر ڈالدی مگر یہودیت

www.toobaaelibrary.com

اور عیسائیت کا علم جنگ اسلام کے بالمقابل برابر لہراتا رہا اور کسی وقت بھی اسلام کو ان کی دسیسہ کاریوں اور سازشوں سے اطمینان میسر نہ ہوا، حتیٰ کہ صاحبِ شریعت کے آخری لمحات کی وصیتوں میں ایک مہتم بالشان وصیت یہ تھی کہ،

اَخْرِجُوْا الْمُشْرِكِيْنَ (الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارىٰ) مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ — یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب کے چپہ چپہ سے باہر نکال دینا۔

(روایت ابن عباسؓ مشکوٰۃ باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب صفحہ ۳۵۵)

جہاں جہاں سے حنفیت کو یہود و نصرانیت سے خطرہ ہو سکتا تھا امت کو خبردار کر دیا گیا — روزہ، نماز، شکل و شباہت، دعا و سلام غرض جہاں جہاں بھی اسلامی حدود ان کے حدود سے ملتے نظر آتے تھے ملتِ حنفیہ کے حلقہ بگوشوں کو تنبیہ کر دی گئی کہ اپنی حدود کی نگرانی رکھیں اس کے باوجود صاحبِ نبوت کی دوربیں نگاہوں نے تاڑ لیا تھا کہ پیروانِ ملتِ حنیفی ایک بار پھر یہودیت و نصرانیت کے پیچھے چل پڑیں گے — اس مجنونانہ اتباع کا نقشہ آپ مذکورہ بالا حدیث میں دیکھ سکتے ہیں۔

جب ہر معقول اور نامعقول بات میں یہ امت ان کے نقشِ قدم پر چلے گی تو یقیناً ضلالت اور گمراہی کی وہ سب راہیں جو یہود و نصاریٰ نے اختیار کی تھیں یہ بھی اختیار کرے گی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جتنے گمراہ فرقے ان میں نمودار ہوئے تھے اس امت میں بھی نمودار ہونگے۔ بلند تر جب گرتا ہے تو یہاں بھی فروتر رہتا ہے۔ بنی اسرائیل بہتّر ۷۲ فرقوں میں بٹے تو امت اسلامیہ تہتّر ۷۳ فرقوں میں بٹے گی۔

اختلاف کیا ہے؟

ایک جیسی حالت کے بعد جب اس کے خلاف کوئی دوسری حالت سامنے آتی ہے تو ہم اس کو "اختلاف" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں — اس لحاظ سے پوری کائنات میں نگاہ ڈالیں تو سارا عالم اس اختلاف میں گھرا ہوا نظر آئے گا۔ دن اور رات کا آنا، حیوانات، نباتات، جمادات کا اختلاف، حیوانات میں نوع اور جنس کا اختلاف، پھر انسانوں میں مزاجوں، رنگوں، زبانوں کا اختلاف۔

www.toobaaelibrary.com

○ اس سے آگے چلئے تو ہدایت اور گمراہی کا اختلاف ـــــ ساری امتیں ایک طرف اور امتِ محمدیہ دوسری طرف حضرت ابراہیم کی شخصیت کے بارے میں اختلاف ہوا کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی ؟ خداوند قدوس نے امت محمدیہ کو ہدایت نصیب فرمائی کہ وہ نہ یہودی تھے نہ نصرانی وہ دراصل حنیف تھے ـــــ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف ہوا۔ یہود نے انکار کیا۔ نصاریٰ نے خدا ٹھہرایا، یہاں بھی ہدایت امت محمدیہ کے حصے میں آئی ـــــ قبلہ کا انتخاب اور جمعہ کی تعلیل اسی قبیل کی کڑیاں ہیں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً	آپکا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی راستہ پر ڈالدیتا
وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَ	لیکن وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے بجز ان کے جن پر آپکا پروردگار
لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود - ۱۱۸ - ۱۱۹)	رحم فرمائے اور اسی اختلاف کے لئے انھیں پیدا کیا ہے۔

إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ سے مراد حنفاء ہیں۔ شاید اسی لئے اس امت کا خطاب "امتِ مرحومہ" ہے۔

○ امتوں کے اختلاف کے بعد ایک اور اختلاف خود اس امت میں مقدر ہے اور وہ ہے حق اور باطل فرقوں کا اختلاف۔ امت کے باطل فرقے مُخْتَلِفِيْنَ کا مصداق رہیں گے اور حق فرقے إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ کا مصداق۔

○ امت کے حق اور باطل فرقوں کے بعد خود "اہلِ حق کی جماعت" کا اختلاف ہے۔ قرآن مجید اور ارشاداتِ رسول ﷺ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں جو اختلاف اور افتراق مذموم ہے وہ یہ ہے کہ ملت کی ہیئت اجتماعیہ پارہ پارہ ہوجائے محبت و مودت، تعاون و تناصر، ہمدردی و سازگاری کے سارے رشتے ٹوٹ جائیں اور جماعتی شیرازہ منتشر ہوجائے۔

اختلاف، ائتلاف کی ضد ہے ـــــ ائتلاف کے معنی باہمی الفت و محبت کے ہیں اگر ائتلاف کے ساتھ اختلاف ہے تو درحقیقت یہ اختلاف ہے ہی نہیں ـــــ ایک ملت ایک دین سے وابستہ ہوکر اگر صرف جزئیات کی حد تک اختلاف پیدا ہوجائے اور اس اختلاف سے دلوں میں فاصلے پیدا نہ ہوں محبت و الفت کے رشتے متاثر نہ ہوں تو یہ کوئی قابلِ ذکر اختلاف نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ جزئی اختلاف بڑھ کر اصول اور کلیات کی جگہ لے لے تو پھر اس کا حکم دوسرا ہے۔

○ اجتہاد کے موقعہ پر اجتہاد کرنا بھی دین ہی کی ایک سمجھائی ہوئی بات ہے اور اسی کا قائم کردہ اصول ہے۔ اسے دین میں اختلاف کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ اختلاف یہ ہے کہ دین کے کسی مقرر کردہ اصول یا کسی تصریح کردہ جزئی کے خلاف کیا جائے ـــــ لیکن جہاں دین نے خود سکوت کیا ہے اور یہ سکوت قصداً کیا گیا ہے وہاں ہر مجتہد کو اجازت دیدی ہے کہ وہ پوری جد و جہد اور ملکۂ استنباط و اجتہاد کی پوری صلاحیتوں کے ساتھ ماخذِ دین سے اس کا حکم معلوم کرے۔

○ صحابۂ کرامؓ میں دیکھئے تو صرف امتثال و اطاعت، فرماں برداری اور وفاشعاری کے طریقوں میں اختلاف تھا۔ فلاں چیز سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں ـــــ تیمم وضو کا قائم مقام کب ہوسکتا ہے؟ ـــــ کوئی آمین زور سے کہنا پسند کرتا کوئی آہستہ، کوئی رکوع کو جاتے اور آتے ہاتھ اٹھالیتا تھا۔ پھر یا اختلافی رنگ بھی اس قدر پھیکا تھا کہ ان اختلافات کے ساتھ وہ ایک ہی مسجد میں نمازیں ادا کرلیتے، بلکہ خوشی خوشی ایک دوسرے کے پیچھے اقتدا بھی کرلیا کرتے ـــــ خصومت و جدل تو درکنار، موافقت

www.toobaaelibrary.com

و مخالفت کے تصور سے بھی ان کے دماغ خالی تھے۔ اس لئے اخوتِ اسلامی، نصح و خیرخواہی، محبت و مودّت کی اتنی سچی مثال تاریخ کبھی کسی دوسری جماعت میں نہیں دکھا سکتی۔

خلافت کے دورِ ثالث و دورِ رابع میں جو ہنگامہ آرائیاں ہوئیں ان میں بھی عقائد اور اعمال کا ان کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔ وہ ایک ہی عقیدے، یکساں عمل اور ایک ہی دین کے حامل تھے اور اسی ایک متفقہ دین کی خاطر ہی برسرِ پیکار تھے۔ ان میں اگر اختلاف تھا تو یہ کہ اس متفقہ دین کا اس وقت علم بردار کون ہے۔

جن مسائل میں نص نہیں ہے وہاں جزئی اور فروعی اختلاف کو بھی دور کرنے کا قرآنی ضابطہ تحریر ہے کہ

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ (نساء - ۵۹) پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے خدا اور اس کے رسول کے سپرد کر دو۔

تاکہ اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے سے وہ حکم منصوص ہی کا رنگ اختیار کرلے۔ لیکن اسکے بعد بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ .... ہر شخص کو وہ حکم "قصدِ شارع" کے مطابق حاصل بھی ہو جائیگا — بعض مرتبہ ایک جزئی میں اصولِ متفرقہ صادق آنے کی صلاحیت ہوتی ہے، ہر مجتہد اپنے خیال کے موافق اسے ایک اصل کے ماتحت داخل کرتا ہے اور اس اصل کے مطابق اس کا حکم اخذ کرلیتا ہے۔ اسلئے اجتہاد و آراء کے اس تجاذب کی وجہ سے فروع میں اختلاف رونما ہو جاتا ہے — مگر ظاہر ہے کہ یہ مختلف حکم خود شریعت کے بیان کردہ نہیں ہیں، اس نے ایک ہی قانون بنایا ہے اور اس کے مطابق اس کا حکم ایک ہی ہونا چاہیئے — اگر عہدِ نبوت ہوتا اور آپؐ سے براہِ راست اس جزئی کے بارے میں سوال کیا جاتا تو اس کا ایک ہی جواب ملتا۔ لیکن بعد میں جب راہِ صواب کا انتخاب صرف اَفہام پر موقوف رہ گیا تو اب اختلافِ اَفہام و عقول کی وجہ سے مجتہد فیہ جزئیات میں اختلاف ضروری ہوگیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ شریعت نے قانونِ یُسر کے مطابق یہاں خطا و صواب دونوں صورتوں میں اجر کا وعدہ کرلیا ہے — لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ درحقیقت اس کے آئین میں اس جزئی کیلئے دو حکم، ایک دوسرے سے علیحدہ اور مختلف موجود تھے۔

اختلاف کے اسباب

جزئی اور فروعی اختلاف تو زیرِ بحث ہے ہی نہیں۔ وہ اختلاف جو بعض اصول اور کلیات میں ہوتا ہے، اس کے تین سبب ہوسکتے ہیں:

(۱) ناقص اور سطحی علم۔ (۲) اتباعِ ہوئی اور خواہشِ نفس۔ (۳) غلط رسوم و عادات کی پیروی۔

○ صحابہ کرام نے دین کا علم براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا — انکے ہاتھ میں کتاب اللہ تھی اور نگاہ کے سامنے کتاب اللہ کی عملی تصویر رسول اللہ تھے — قرآن کی ایک ایک آیت انکے سامنے اتر تی رہی اور وہ اس کی صحیح سے صحیح تصویر آپ کے طرزِ عمل میں پڑھتے رہے، انھوں نے پورا دین اس سہولت اور صحت کے ساتھ سیکھ لیا جسطرح ایک بچہ بلا تکلف اپنے والدین کے رنگ ڈھنگ اور طور طریق سیکھ لیتا ہے۔

قرآن کریم کی اس زندہ اور عملی تصویر کے روپوش ہوجانے کے بعد گو تحصیلِ علم میں وہ سہولت تو باقی نہ رہی مگر چونکہ اس کی عکسی

www.toobaaelibrary.com

تصویریں بکثرت چلتی پھرتی موجود تھیں جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرِ صحبت نے ایسا راسوخ اور ایسی نورانیت پیدا کردی تھی کہ وہ خود بھی مجموعی طور پر ایک معیارِ حق و باطل بن گئے تھے۔ اسلئے اگر قرآن پڑھنے والے کہیں اٹکتے تو ان عکسی تصویروں سے ان کو حل کر لیتے۔

لیکن جب یہ عکسی تصاویر وتفاسیر گم ہوتی گئیں اور اسلام عرب سے نکل کر مختلف سمتوں میں پھیل گیا تو وہ طریقِ تعلیم و تعلم بھی بدل گیا ــــ قرآن کے صرف الفاظ سامنے رہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات وتفصیلات کا جو ذخیرہ پہنچا وہ بھی بشکلِ الفاظ پہنچا، اسلئے چون وچرا اور لا و نعم کا دروازہ کھل گیا۔ عقلاء نے اپنی عقل کے بھروسے پر اور بے علموں نے اہلِ علم ہونے کی غلط فہمی میں دین کو تختۂ مشق بنا لیا۔ اور وہ اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے جنکی بنیاد عقائد تھی اور جن کو دین کا اختلاف کہا جا سکتا تھا۔

صحابہ کرام میں علم کا وہ طول وعرض اگرچہ نہیں تھا جو بعد میں ہوا مگر عمق تھا، گہرائی تھی، مغز ہی مغز تھا۔ جب دین کے مسائل پر بحث ہوگی تو سب سے پہلے یہ پیش نظر ہونا ضروری ہے کہ اس باب میں صحابہ اور سلف کی کیا رائے تھی اور انکی رائے کے بالمقابل دوسری سب رائیں اسطرح ٹھکرا دینے کے قابل ہونگی جس طرح ہائی کورٹ کے نظائر کے مقابلے میں دوسری عدالتوں کے فیصلے ٹھکرا دینے کے قابل سمجھے جاتے ہیں۔ وہ دین کا ہائی کورٹ تھے اور ان سے زیادہ صحیح مواد حاصل کرنا واقعات کے دائرے میں ممکن نہیں۔

○ اختلاف کا دوسرا سبب اتباعِ ہویٰ ہے ــــ اتباعِ ہویٰ اور اتباعِ ہُدیٰ دو متضاد چیزیں ہیں ــــ راہ ہُدیٰ پکارتی ہے کہ راہ یہ ہے ــــ مگر ہویٰ مچلنے لگتی ہے اور سو طرح کی رکاوٹیں سامنے لے آتی ہے ــــ ہُدیٰ ایک آسمانی آئین ہے اسکی پیروی میں محکومیت کا داغ لگتا ہے ــــ اور ہویٰ اپنے ہی نفس کے جذبات ہیں اسکے مان لینے میں حاکمیت کا مزہ آتا ہے۔ "ہوس چھُپ چھُپ کے سینے میں بنالیتی ہے تصویریں،" ــــ اسلئے یہاں ایک نیک بخت انسان بڑی حماقت یہ کرتا ہے کہ ہدیٰ اور ہویٰ کے درمیان اتفاق وسازگاری کی سعی کرنے لگتا ہے تاکہ "باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی۔"

خواہشات اور ہویٰ کا محرک چونکہ خود نفس انسانی ہے اسلئے وہ جسم انسانی میں جان کیطرح رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں سرایت کی ہوئی ہوتی ہے۔ اور جب ان پر قرآن وسنت کا ملمع چڑھ جاتا ہے تو اب وہی ہویٰ ٹھیک ہدیٰ کی شکل میں نظر آنے لگتی ہے۔ اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الجاثیہ۔۲۳) بھلا دیکھئے تو جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا اور حاکم ٹھیرایا۔

قرآن وسنت کی روشنی میں عقل سے کام لینا حکمت ہے اور عقل کی حدود میں قرآن وسنت کو محدود کر دینا اتباعِ ہویٰ ہے ــــ دین میں عقائد اور اصول کے اختلاف کا یہ دوسرا سبب ہوا۔

○ اختلاف وافتراق کا تیسرا سبب اتباعِ عادات ہے۔ قومی، ملکی یا خاندانی عادتیں اور رسم ورواج کچھ اتنی بری چیز بھی نہیں کہ انکی اصلاً مذمت کیجائے بلکہ اگر غور کیجئے تو یہ انسانی اصلاحِ معیشت کا ایک فطری دستور العمل بھی ہے بہت سی وہ اصلاحات جو انسان آئینی طور پر قبول کرنا پسند نہیں کرتا اپنی خاندانی یا ملکی عادتوں کی وجہ سے خوشی خوشی قبول کر لیتا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسانوں کا کوئی فاسد عنصر ظلم وتعدی اور محض اپنی بے علمی اور جہالت سے

www.toobaaelibrary.com

کوئی بات کر گذرتا ہے۔ جب اسی حال پر کچھ زمانہ گذر جاتا ہے تو پھر یہی عام عادت بنجاتی ہے اور شدہ شدہ اہلِ مذہب اسکو اپنے مذہب کا ایک حصہ بنا لیتے ہیں ـــــ دین میں اختلاف کا یہ بھی ایک سبب ہوتا ہے۔

حدیث مذکورہ بالا میں تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ میں لفظ اُمَّتِیْ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس اختلاف کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ لفظِ امت بلکہ "امتِ اجابت" کے اندر رہ کر ہونا چاہیئے۔

صحابہ کرام نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ امت کے بہتّر فرقوں کی تعیین کہ یہ کونسے فرقے ہیں؟ یا ان پر سوال وجواب کے بجائے یہ تحقیق کر لی کہ فرقۂ ناجیہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے۔؟

○ حدیث مذکورہ بالا کے الفاظ میں ہے کہ كُلُّهُمْ فِي النَّارِ ایک فرقے کے علاوہ یہ فرقے دوزخی ہیں۔ اور ایک فرقے کے بارے میں ہے کہ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً کہ یہ ایک فرقہ ناجی ہے۔ اس جنتی فرقے سے مراد وہ فرقہ ہے جسمیں اعتقادی اور عملی کسی پہلو سے بھی بدعت نے راہ نہ پائی ہوگی۔ سنت پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا اس کے اعتقاد اور عمل کے دونوں بازو درست ہیں۔ اگر بربنائے بشریت کوئی عملی کمزوری ان سے سرزد ہوگئی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت یا اسے معاف کردیگی ورنہ قبر اور محشر کی سختیوں میں کہیں اسکا حساب مجریٰ کرلیگی یہ فرقہ بلا کسی ادنیٰ عذاب کے جنت میں جائیگا۔ لفظ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ اسی فرقہ پر چسپاں ہوتا ہے ـــــ اس کے بالمقابل جو دوسرے فرقے ہیں انکو اپنے تشتت وافتراق کی سزا بھگتنی پڑیگی۔ اس کے بعد وہ بھی جنت میں چلے جائینگے۔ آخر کار اس امت کا ہر فرقہ بلا عذاب یا کچھ عذاب پاکر جنت میں داخل ہوجائیگا ـــــ ابن عمرؓ کی روایت ہے۔

مَا مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا وَبَعْضُهَا فِي النَّارِ وَبَعْضُهَا فِي الْجَنَّةِ اِلَّا اُمَّتِيْ فَاِنَّهَا كُلُّهَا فِي الْجَنَّةِ

ہر ایک امت کے کچھ لوگ جنت میں اور کچھ دوزخ میں جائینگے صرف ایک میری امت ہے جو پوری کی پوری جنت میں جائیگی۔

طبرانی نے معجم اوسط اور معجم صغیر میں اس روایت کو ذکر کیا ہے اور صاحب جمع الفوائد فرماتے ہیں کہ اسکی سند ضعیف ہے۔

(ترجمان السنۃ جلد اول صفحہ ۷۸)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى، قِيْلَ وَمَنْ اَبٰى؟ قَالَ مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى

(رواه البخاری مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الاول ص۲۷)

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری ساری امت جنت میں جائیگی مگر وہ جس نے میرا انکار کیا، پوچھا گیا وہ منکر کون ہے؟ ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے میرا انکار کیا۔

www.toobaaelibrary.com

فرقۂ ناجیہ اب حدیث کے الفاظ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ ـ الجماعۃ ـ السواد الاعظم سامنے رکھیئے اور غور کیجیے کہ وہ کونسی جماعت ہے جس کو حق کا معیار قرار دیا گیا ہے ــــ یہی تو وہ "مسطر" ہے جس کو سرورِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلیئے تیار کیا تھا کہ صفحاتِ عالم پر آئندہ جب کوئی سطر کھینچی جائے تو وہ اسی مسطر سے برابر کر لی جائے ــــ یہ وہ جماعت ہے جو نہ تو الفاظ کی جکڑبندیوں میں اتنی مقید ہے کہ عقل کو بالائے طاق رکھدے، نہ عقل کے گھوڑے پر ایسی سوار ہے کہ آنکھ بند کر کے علم سلف کو پامال کرتی چلی جائے بلکہ علم صحیح اور فہم صحیح کی دو روشنیوں میں اس طریق کا پورا احترام رکھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ کا طریقہ تھا ــــ اگر دین کے عملی حصے کو دیکھا جائے تو وہ آج بھی اتنا ہی مختصر اور صاف نظر آئیگا۔

○ "ما انا علیہ واصحابی" کے الفاظ پر غور کیجیے تو صاحبِ نبوت کے ایک ایک لفظ کا کمال کھلتا چلا جاتا ہے۔ صحابہ رض کا سوال تھا کہ فرقۂ ناجیہ کونسا ہے۔؟ جواب یہ ہوتا کہ انا واصحابی، اور اگر آئین کلی ہی بتانا مقصود تھا تو فرماتے: کتاب وسنت ــــ مگر فرمایا، وہ طریقہ جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں ــــ جب آپ کے صحابہ کا طریقہ آپکے طریقے کے سوا کوئی اور نہ تھا تو مستقل طور پر "میرے صحابہ کا طریقہ" فرمانے کی ضرورت کیوں ہوئی ــــ یعنی صرف کتاب وسنت کے الفاظ کافی نہیں ہیں بلکہ الفاظ کی عملی تصویر جو میری ہے اور صحابہ نے ہو بہو اسکی نقل کی ہے ــــ معلوم ہوا کتاب بلا شخصیت کافی نہیں ہو سکتی ــــ پھر صحابہ کی سنت کو مستقل حیثیت دی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے بعض اعمال کی صورت گو دورِ نبوت میں ہمیں نظر نہ آئے مگر مقاصدِ شریعت کے لحاظ سے وہ عین شریعت کے مطابق ہیں ــــ مثال کے طور پر تراویح کا مسئلہ، کون نہیں جانتا کہ تراویح کی یہ اجتماعی صورت جو آج ہمارے دور میں رائج ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں نہ تھی، حضرت عمر رض نے اس اجتماعی صورت کو شروع کیا، اس وقت طبائع میں کتنی سلامتی، کتنا اتحاد، کتنی یکسوئی، کتنا انقیاد تھا کہ سب نے اس کا اتباع کیا اور کوئی اختلافی ہنگامہ برپا نہ ہوا۔

اس کی ایک مثال نہیں بہت سی مثالیں ہیں کہ صحابہ کے دَور کا کوئی عمل گو صرف اپنی صورت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نظر نہ آتا ہو، لیکن حقیقت کے لحاظ سے آپکے منشار کے اتنا مطابق ہوتا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف فرما ہوتے تو یہی فرماتے۔ یہ ہمارا حسنِ ظن نہیں بلکہ عہد مبارک میں خود وحی الہٰی کا حضرت عمر رض کی بار بار تصویب کرنا اس بات کی کھلی ضمانت تھی کہ آئندہ بھی ان کی اصابتِ رائے امت کو تسلیم ہونا چاہیئے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے زمانے میں ہوتے تو موجودہ بے احتیاطیوں کو دیکھ کر عورتوں کا مسجدوں میں آنا بند کر دیتے۔ اس اختلافِ صورت اور اتحادِ مقصد کے پیش نظر مناسب معلوم ہوا کہ مَا اَنَا عَلَیْہِ کے ساتھ وَ اَصْحَابِیْ کا لفظ اور بڑھایا جائے۔

○ خالق نے اپنے رسول کو منصب تشریع سے نوازا تھا، اس کے رسول نے اپنے صحابہ کو منصبِ اجتہاد سے نوازدیا

www.toobaaelibrary.com

اور اس طرح جو نعمت رسول کے حصے میں آئی تھی امت کا بھی اس میں ایک حصہ لگ گیا۔

○ السَّوادُ الاعظم اور الجماعۃ سے وہی سواد اعظم اور وہی جماعت مراد ہے جو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ یعنی کتاب وسنت کی متبع ہے ـــ اسمیں تعداد کی قلت وکثرت سے بحث نہیں ہے۔

ان تینوں الفاظ کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل حق ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو اور نہ صرف یہ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے طریق کا بھی احترام کرنے والی ہو، اگر کوئی جماعت صرف آپ کے طریقے کا احترام کرتی ہے لیکن صحابہ کے طریق کا احترام نہیں کرتی تو وہ حدیث کے ان الفاظ کی حدود سے باہر ہے۔

جو صحابہ کا احترام نہیں کرتا، وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا احترام نہیں کرتا۔

اس فیصلے کے بعد اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اختلاف کا تخم ہی دنیا سے مٹ جائے گا تو آپ نے غلط سمجھا ہے اور اگر شریعت کے سر یہ الزام رکھنا چاہتے ہیں کہ اس نے فرقۂ ناجیہ کی پوری تفسیر نہیں کی تو یہ اس سے زیادہ غلط ہے۔
عالم تشریع کھلی کھلی باتیں آپ کے سامنے بیان کرتا رہے گا مگر عالم تکوین شبہات کے گرد اڑا اڑا کر اس کو تاریک ومکدّر بناتا رہے گا۔ آپ سلسلۂ اسباب میں راہِ حق تلاش کرنے کی تگ ودو جاری رکھیے اگر آپ کا نام اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ میں درج ہو چکا ہے تو جو راہ سب سے زیادہ صاف آپ کو نظر آئے گی وہ یہی مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کی راہ ہوگی۔ اور اگر خدانخواستہ آپ کا نام اس فہرست میں نہیں ہے تو ایک تنکہ بھی آپ کو پہاڑ معلوم ہوگا۔

اللہ کی راہیں سب ہیں کھُلی ، آثار ونشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن، اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ۔

بندۂ ناچیز
[illegible]
فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

مالیر کوٹلہ ـــ یوم الاثنین ۲۴ ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ
۱۷ مئی ۱۹۹۳ء

www.toobaaelibrary.com

مراجع وماخذ

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	مصنف کا زمانہ	ناشر مطبع	سال طباعت
۱	قرآن مجید				
۲	مشکوٰة	ولی الدین محمد بن عبداللہ	۷۳۷ھ میں کتاب کی تدوین سے فارغ ہوئے	نور محمد اصح المطابع کی مطبوعہ کا عکس کتب خانہ رحیمیہ دیوبند	
۳	حجۃ اللہ البالغہ	احمد بن عبدالرحیم الحنفی الملقب شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۳ء — ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء		
۴	ڈٹنس	وہشکر چیمبرز			
۵	ایوڈنس آف گاڈ	ٹامس ڈیوڈ پارکس		نیویارک	۱۹۵۹ء
۶	ابوداؤد	ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی	۲۰۳ھ — ۲۷۵ھ		
۷	ترجمان السنۃ	مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی	۱۳۱۷ھ مدینہ ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء	ندوة المصنفین دہلی	
۸	معمار انسانیت	فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی		جامعہ دار السلام مالیر کوٹلہ	۱۹۹۱ء
۹	انجیل بائیبل				
۱۰	التکشف عن مہمات التصوف	مولانا اشرف علی تھانوی	متوفیٰ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء		
۱۱	سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد یزید القزوی	۲۷۵ھ / ۸۸۹ء		
۱۲	صحیح بخاری (۴ جلدیں)	ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ البخاری الجعفی	۱۹۴ھ ۲۵۶ھ / ۸۷۱ء	دار العربیہ بیروت۔ لبنان۔	
۱۳	الجامع الصحیح معروف بہ سنن ترمذی (۲ جلدیں)	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن السورہ الترمذی	۲۰۹ھ ۲۷۹ء / ۸۹۲ء		
۱۴	رسائل الارکان	بحر العلوم			
۱۵	اعلام الموقعین عن رب العالمین	ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابی بکر المعروف ابن جوزیہ	متوفیٰ ۷۵۱ھ / ۱۳۵۰ء	مطبع السعادہ مصر اور مطبع منیر الدمشقی القاہرہ	۱۹۶۹ء
۱۶	تاریخ دار العلوم دیوبند جلد اول	سید محبوب رضوی		دار العلوم دیوبند	۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء
۱۷	تصور ریاست اسلامی	مرتبہ حکیم محمد سعید دہلوی		ہمدرد فاؤنڈیشن ناظم آباد کراچی	۱۹۸۳ء
۱۸	توجیہ النظر	جزائری			
۱۹	علماء دیوبند کا مسلک	مولانا قاری محمد طیب صاحب	۱۸۹۴ء ۱۹۸۳ء	بیت الحکمت دیوبند	محرم ۱۴۰۹ھ
۲۰	تہذیب التہذیب	شیخ الاسلام شہاب الدین حافظ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	متوفیٰ ۸۵۲ھ / ۱۴۴۸ء	حیدرآباد	۱۳۲۵ھ
۲۱	سنن ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی	۲۰۹ھ - ۲۷۹ء		
۲۲	معجم طبرانی	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی	متوفیٰ ۳۳۶ھ	دار النصر قاہرہ	۱۹۶۸ء
۲۳	فتح الباری علی شرح صحیح البخاری (دو جلدیں)	شیخ الاسلام حافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی المعروف بابن حجر العسقلانی	متوفیٰ ۸۵۲ھ / ۱۴۴۸ء	مطبع امیریہ بولاق قاہرہ	۱۳۰۱ھ
۲۴	رسالہ دینیات	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱۹۰۳ء — ۱۹۷۹ء	مرکزی مطبع اسلامی دہلی	۱۹۷۲ء
۲۵	المستدرک علی الصحیحین	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	متوفیٰ ۴۰۵ھ	حیدرآباد	۱۳۳۴ھ
۲۶	مسند احمد۔	امام ابوعبداللہ احمد بن محمد الشیبانی المروزی	۱۶۴ھ — ۲۴۱ھ	مطبع المیمنہ مصر	۱۳۱۳ھ
۲۷	ابن جریر	ابوجعفر محمد بن جریر طبری	متوفیٰ ۳۱۰ھ		
۲۸	ابونعیم	حافظ احمد بن عبداللہ الاصبہانی	" ۴۳۰ھ		
۲۹	القول البدیع	حافظ شمس الدین بن عبدالرحمٰن السخاوی	" ۱۹۰۲ء		
۳۰	احکام الاحکام	ابن دقیق العید			
۳۱	الاقتصار فی التقلید والاجتہاد	مولانا اشرف علی تھانوی رح	متوفیٰ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء		
۳۲	الجامع الصحیح مسلم	امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج ابن مسلم القشیری النیشاپوری	" ۲۶۱ھ / ۸۷۵ء	دار العربیہ بیروت۔ لبنان	